بسم اللہ الرحمن الرحیم

عنوانات کا انڈکس

عنوانات کا انڈکس

۴۰۔ اکبر آباد

اکبر آباد۔ اگرہ کا قدیمی نام ہے۔ یہ مقام اکبر کو بہت پسند تھا اور
اسی نے اس کو آباد کیا اور اُسی زمانہ سے اس کا نام
اکبر آباد پڑا۔ پُرانا آگرہ جمنا کے بائیں کنارہ پر ہے اور اب
صرف ایک محلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی جانتا بھی نہیں
کہ اکبر کے بسانے سے پیشتر آگرہ اسطرف آباد تھا۔

۳۷۔ جوگن نامہ

کاشی ... بنارس کا قدیم نام ہے۔ یہ اہل ہنود کا بڑا مقدس شہر، پرستشگاہ اور تیرتھ ہے، یہ زمانہ قدیم میں بہت بڑا دارالعلوم تھا۔ اب بھی سنسکرت کے بڑے بڑے علما اور جوتشی یہاں رہتے ہیں۔ اس مقام پر شیخ علی حزین کی قبر ہے۔

دکن .... شاہی زمانہ مین دکن نہایت دور دراز جگہ سمجھی جاتی تھی۔

۳۸۔ موتی

موتی.... موتی، میاں نظیر کی معشوقہ کا نام تھا۔ یہ شہباز کی تحقیق ہے اور غالباً صحیح ہے۔

حضرت آدم کو بہشت میں سوائے گندم کے جملہ میوہ جات
کھانے کا حکم تھا۔ شیطان کی اب یہ کوشش ہوئی کہ
آپ کو کسی طرح گیہوں کھلا سکے۔ پہلے اس نے حضرت حوا
کو بہکایا اور اُن کے ذریعے اسے حضرت آدم کو گیہوں
کھلانا چاہا۔ لیکن ناکامیاب ہوا۔ کئی ناکامیوں کے
بعد آخر کار ایک مرتبہ شیطان حضرت آدم کو فریب دینے میں
کامیاب ہوا اور اونھیں گیہون کھلا دیا۔ اس ترک اولیٰ
کی بنا پر حضرت آدم اور حوا بہشت سے نکال کر دنیا پر
ڈالدئے گئے اور دونوں کو علیحدہ علیحدہ مقام پر رکھا گیا
ایک عرصہ کے فراق اور بڑی آہ وزاری کے بعد دونوں
کو ایک دوسرے کی ملاقات نصیب ہوئی۔ بنی نوع
انسان ان ہی کی نسل ہے۔
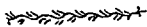
۳۴- چاندنی رات

ادم ۔ ۔ ۔ ۔ ارم ایک بہشت کا نام ہے۔ ارم در اصل اس بہشت کا نام ہے جو شداد نے دنیا میں تعمیر کرایا تھا شداد کے واصل جہنم ہونے کے بعد اسکو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

۳۶- جوگی نامہ

بندرابن۔ متھرا کے نزدیک ایک مشہور پرستشگاہ اور تیرتھ کا مقام ہے۔

آدم ۔ ۔ ۔ ۔ ابوالبشر حضرت آدم کو خداوند تعالیٰ نے مٹی سے بنایا اور انکی زوجہ حوا کو ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ ابلیس کو حکم ہوا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرے لیکن اس نے انکار کیا۔ اس لئے اسکو راندہ درگاہ کر دیا گیا اور مردود خلائق قرار پایا اور شیطان کے نام سے مشہور ہوا۔

۲۸- کورا برتن

آبِ حیات - مشہور ہے کہ آبِ حیات وہ پانی ہے جس کو پی کر انسان
کبھی نہیں مرتا - اس کا چشمہ ظلمات میں ہے - سکندر
ذوالقرنین کو اس چشمہ تک پہنچنے کی خواہش ہوئی لیکن
کیونکر پہنچ سکتا تھا اسلئے کہ وہ تو نگاہوں سے پوشیدہ
ہے آخرِ کار حضرت خضر کی رہبری سے وہاں پہنچا لیکن
وہاں عجیب عبرت ناک منظر نظر آیا - دیکھا سینکڑوں
آدمی اپاہج بنے پڑے ہیں صرف سانس چل رہا ہے -
جب اسکو معلوم ہوا کہ آبِ حیات پی کر یہ کیفیت ہو جاتی ہے
تو اس نے نہ پیا اور واپس چلا آیا -

۲۹- کوّا اور ہرن کا بچہ

کوّا اور ہرن - یہ قصہ اصل میں انوارِ سہیلی میں ہے - میاں نظیر نے خود
اعتراف کیا ہے کہ یہ قصہ نثر میں تھا میں نے نظم کیا ہے

جنہیں تیراکوں سے بڑی محبت تھی۔ باوا ان لوگوں کے لئے
بھنگ، تمباکو، چرس، آگ، پانی ہمیشہ مہیار کھتے تھے،
یہاں پرانے تیراک اکثر جایا کرتے تھے، تلسی باوا کے
مرنے کے بعد ان کی سل جس پر وہ بھنگ پیسا کرتے
تھے بہت مشہور ہوئی۔

باغ حکیم۔ سہجا کے پیالہ اور بلکیشر کے درمیان ایک باغ ہے جو حکیم
کا باغ مشہور ہے یہاں ایک لانبی سفید قبر ہے جو غالباً
کسی شاہی حکیم کی ہے۔ تیراکی کے میلہ کے دن یہاں رقص و
سرود کی محفلیں بپا ہوتی اور تیراک یہاں کچھ دیر قیام
کرتے ہیں۔

شیوداس کا چمن۔ جس مقام پر لب دریا کارخانجات بنے ہوئے ہیں وہاں
کسی زمانہ میں ایک بہت بڑا باغ تھا جو رائے شیوداس کا
بنایا ہوا تھا یہاں میلے کے دن رقص و سرود کی محفلیں قائم
ہوتی تھیں۔ اور تیراک یہاں بھی تفریح کے لئے ٹھیرتے تھے
یہ باغ اب موجود نہیں لیکن یہ مقام اب بھی راشوداس کا
چمن کہلاتا ہے جو یقیناً رائے شیوداس کی خرابی ہے۔

عمارات کا ایک سلسلہ ہے جس میں سے ایک دالان
منہدم ہوکر پانی کے اندر بیٹھ گیا ہے اس دالان کی چھت
مثل چبوترے کے ہوگئی ہے جو کبھی پانی کے اندر پوشیدہ
اور کبھی نمایاں رہتی ہے۔ ممکن ہے یہاں پہلے دارا کا محل ہو
اور اس مقام کو محل منہدم ہو جانے کے بعد دارا کا چوترا
کہنے لگے ہوں۔

مہتاب باغ۔ تاجگنج کے سامنے دوسرے کنارے پر ایک برج بنا ہوا ہے
اِس مقام کو تیراک مہتاب باغ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔
غالباً کسی زمانہ میں یہاں باغ تھا اور وہ خصوصاً تاجگنج
کے تیراکوں کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔

سید۔ جھرنے سے آگے لب دریا ایک قبر ہے جو سید شاہ صوفی
کی مشہور ہے۔ سید سے مراد یہ مقام ہے۔ یہ مقام تاجگنج سے
براہ آب ۲۵ میل کے فاصلہ پر ہے تیر کر لونڈے جانیوالے
تیراک اس مقام پر دریا سے نکل آتے ہیں اور پھر ریل
سے آگرہ واپس آتے ہیں۔

تُلسی۔ تاجگنج اور جھرنے کے درمیان ایک باغیچہ ہے جو سیاچرن
کی باغیچی کہلاتا ہے اس میں کوئی تلسی بابا وارہتے تھے

نوچندی جمعرات سے دور روز یعنی منگل کو ہوا تھا اس لئے
یہ سلسلہ ہمیشہ منگل کو ہوتا ہے جس مقام پر پہلے پہل سہجا کی
فاتحہ خوانی تیراکوں نے کی تھی وہ مقام اب سہجا کے نام سے
مشہور ہے اور سہجا مائی کا پیالہ کہلاتا ہے۔ شہباز کی رائے ہے
کہ سہجا کسی امیر عورت کا نام تھا اور اس کا کوئی نالہ ہے۔ یہ
قطعی غلط معلوم ہوتا ہے۔

چھتری۔ سہجا کے پیالے سے تھوڑی دور لب دریا ایک برج بنا
ہوا ہے جسے چھتری کہتے ہیں۔ یہ آگرہ کے کسی قدیمی
سیٹھ نے جس کا نام جسونت تھا بنوائی ہے۔ اس مقام پر
غالباً کوئی مندر یا معبد بنوانے کا اس کا قصد تھا جو کسی
وجہ سے مکمل نہ ہو سکا لیکن یہ چھتری اب تک موجود ہے

برج خونی۔ آج کل یہ برج دریا کنارہ کی سڑک پر واقع ہے۔ کسی
زمانہ میں یہاں سڑک نہ تھی بلکہ دریا اس سے ٹکر اتا تھا۔
یہاں پانی اس قدر عمیق اور خطرناک تھا کہ اکثر اناڑی
تیراک ڈوب جایا کرتے تھے اس لئے اس کا نام خونی
برج مشہور ہو گیا۔

دارا کا چوترا۔ سید کے باغ اور آرام باغ کے درمیان شکستہ شاہی

اس دودھ کو تمام اہل خانہ غالباً ایک دوسرے پر چھڑکتے ہیں۔

۲۴- بانسری

رادھے ۔ رادھا کرشن جی کی معشوقہ کا نام ہے۔

۲۵- آگرہ کی تیراکی

جھرنا ۔ تاجگنج سے ٹونڈلہ تک تیر کر جاتے ہوئے درمیان میں ایک مقام پڑتا ہے جس کو جھرنا کہتے ہیں۔ وہاں ایک پل بنا ہوا ہے جسے جھرنے کا پل کہتے ہیں۔

سبھا کا پیالہ ۔ سبھا کسی اُستاد تیراک کی لڑکی اور قوم کی ساقن تھی۔ اسکو تیرنے کا بڑا شوق تھا، توجندی کے میلہ میں سبھا حقہ لے کر جاتی تھی اور تیرنے کی حالت میں انھیں حقہ پلاتی جاتی تھی۔ اسکے مرنے کے بعد تیراکوں نے اس کی یادگار میں ایک میلہ قائم کیا جس کا نام پیالہ رکھا۔ سبھا کا انتقال چونکہ

اور تاریخ میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ مشابہت
نہایت پر لطف اور یار آور نکتہ ہے۔

یسدیو۔ کرشن جی کے باپ کا نام ہے۔

دیوکی۔ کرشن جی کی ماں کا نام ہے۔

روھنی۔ ایک نچھتر کا نام ہے یعنی یہ اس ساعت سعد و نیک کا
نام ہے جس میں کرشن جی پیدا ہوئے۔

گوکل:۔ اہل ہنود کا ایک مقدس مقام ہے جو متھرا کے نزدیک ہے
یہ بہت بڑی تیرتھ کی جگہ ہے۔ کرشن جی کا بچپن اسی مقام
پر گذرا۔

نند۔ اس شخص کا نام جس نے کرشن جی کی بطور باپ کے پرورش کی
اس لئے اس کو رضاعی باپ سمجھنا چاہیئے۔

جسودا۔ نند کی زوجہ کا نام ہے یہ کرشن جی کی رضاعی ماں ہوئیں

ددکاندے۔ اہل ہنود کی ایک قدیم رسم کا نام ہے۔ یہ اُسوقت کی
جاتی ہے جب بچہ پہلی مرتبہ پاخانہ پھرتا ہے۔ دھی اور زعفران
ملا کر بچہ کا مصنوعی پاخانہ بنایا جاتا ہے اور کورے مٹی کے برتنوں
میں دودھ بھروا کر رکھوایا جاتا ہے اور اس میں ہلدی پیسکر
ملادی جاتی ہے تاکہ اس کا رنگ زرد ہو جائے۔ پھر

اس شاہزادی کو اپنے یہاں عزت دی تھی۔ یہ شاہزادی خود بھی نہایت دولتمند اور بڑی جلیل القدر ملکہ تھی۔ حضرت سلیمان کی بلقیس سے ملاقات ایک نہایت دلچسپ تاریخی فسانہ ہے۔ آخر کار بلقیس نے ایمان قبول کیا اور حضرت سلیمان ع کی زوجیت میں داخل ہوئی۔

۲۲۔ نانک شاہ گرو

واہ گرو، واہ گرو، بابا نانک شاہ گرو کی تعریف کا فقرہ اور سکھوں کی قومی صدا ہے۔

۲۳۔ جنم کنھیا جی

کنس: کنس متھرا کا راجہ اور نہایت ظالم و بدکردار شخص تھا اسکے اطوار راون کے سے تھے۔ یہ کرشن جی کا ماموں تھا۔ آخر کار کرشن جی کے ہاتھ سے مارا گیا کنس اور کرشن کا قصہ بالکل فرعون اور موسیٰ کا سا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں

۲۰۔ حضرت سلیم چشتی

حضرت سلیم چشتی۔ شیخ سلیم بن بہاؤ الدین چشتی فتحپور سیکری میں دفن ہیں اور ۲۹ رمضان کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ جہانگیر آپ ہی کی دعا کی برکت سے پیدا ہوا تھا اس وجہ سے اکبر کو آپ سے خاص عقیدت تھی۔ آپ فریدی ہیں اور حضرت بابا فرید کی اولاد سے ہیں۔

فغفور۔ چین کے قدیم بادشاہوں کا لقب ہے۔

خاقان۔ یہ بھی چین کے قدیم بادشاہوں کا لقب ہے

سلیمان۔ حضرت سلیمان بن داؤد بہت بڑے پیغمبر اور جملہ خلائق کے بادشاہ تھے آپ کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس پر کچھ اسمار الٰہی کندہ تھے۔ اسکی وجہ سے تمام خلائق آپ کے زیر فرمان تھی۔ آپ کا تخت بساط سلیمان ہمیشہ ہوا پر اُڑا کرتا تھا۔ آصف بن برخیا جو قوم جن سے تھے آپ کے وزیر اعظم تھے۔ سبا کی شاہزادی بلقیس کے حسن و جمال، تہذیب و شائستگی کا قصہ حضرت سلیمان نے ہدہد سے سن کر

۱۹ - دِوالی

دوالی - دوالی اہل ہنود کا نہایت لطیف تیوہار ہے۔ آب و ہوا اسکا خصوصًا نہایت اچھا اثر پڑتا ہے مکانون کی صفائی لازمی طور پر کرائی جاتی ہے، شب کو چراغان کیا جاتا ہے اور شیرنہ بلکہ منون گھی اور خوشبودار مصالح بخورات کے لئے جلا دئے جاتے ہیں جس سے ہوا نہایت صاف اور صحت پرور ہوجاتی ہے کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں جبکہ ہندوستان کی تہذیب، تمدن کا شباب تھا یہاں کے مصور لڑکے اور لڑکیاں دوالی کے روز اپنی صنعتوں کے نمونے عوام کے سامنے پیش کرتے تھے اور بہترین تصویر کو انعام دیا جاتا تھا۔ یہ بات تو اب مفقود ہوگئی ہے لیکن تصویروں کی نمائشیں اب بھی ہوتی ہے کاش ہندوستان کا وہ عہد زریں پھر واپس آجائے اور اسی طرح آرٹ کی نمائشیں پھر ہونے لگے۔ دوالی کے دن لکشمی کی جو ہندو علم الاصنام میں دولت کی دیوی سمجھی جاتی ہے پرستش ہوتی ہے۔

خلافت ملی اس لئے اور موسمی تیوہار ہونے کی وجہ سے بھی
ایران میں نوروز منایا جاتا ہے۔
اہلِ تصوف کے آپ سب سے بڑے پیشوا ہیں اور یہ فرقہ آپ کو
سرچشمۂ ولایت و تصوف گردانتا ہے۔

نجف اشرف۔ حضرت مولا علی علیہ السلام کی قبر اطہر نجف اشرف میں ہے
جو عراق عرب کا ایک مشہور شہر ہے۔

حیدر صفدر۔ حضرت علی علیہ السلام نے عہد طفولیت میں ایک اژدہا
چیر کر پھینک دیا تھا اس لئے آپ کا لقب حیدر ہوا اور
چونکہ آپ ایسے شجاع یکتا تھے کہ تن تنہا صفوں کے منہ پھیر
دیتے تھے اس لئے صفدر مشہور ہوئے۔

صاحب قنبر۔ حضرت قنبر حضرت مولا علی کے خادم اور دو الجناح کے
سائیس تھے اسلام میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے اور بڑے
جلیل القدر بزرگ سمجھے جاتے ہیں حضرت علی علیہ السلام
چونکہ قنبر کے آقا تھے اس لئے آپ کو صاحب قنبر بھی کنایۃً
کہا جاتا ہے۔

شریف۔ نجف اشرف کے ملکی حاکم کو شریف کہتے ہیں۔

۱۷۔ مُفلِسی

گوری } یہ دونوں راگنیوں کے نام ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے
بھیاس } کہ نظیر علم موسیقی اور اس کی اصطلاحوں سے خوب واقف تھے۔

۱۸۔ معجزۂ حضرت علی علیہ السلام

علی۔ حضرت علی علیہ السلام اسلام کے وہ رکن اعظم ہیں جنہوں نے سب سے پہلے دعوت اسلام تیرہ سال کی عمر میں قبول کی۔ آپ جناب سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی اور اُن جناب کے داماد تھے اسلام کی جڑ آپ کی ذات سے جمی اور ابتدا کی تمام لڑائیاں مثل بدر، خیبر، خندق وغیرہ سب محض آپکی ذات سے فتح ہوئیں۔ اہل تشیع آپ کو آنحضرت کے بعد وصی رسول اور خلیفہ برحق جانتے ہیں۔ لیکن اہل سنن چوتھا خلیفہ سمجھتے ہیں۔ نوروز کے دن آپ کو کوفہ میں ظاہری

انبیائے اولوالعزم میں سے ہیں۔ ان کا علم زبردست اور وسیع ہے یہاںتک کہ حضرت موسیٰ کو ان سے استفادہ کرنے کی ہدایت ہوئی تھی۔ یہ اب تک زندہ سمجھے جاتے ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے لیکن عوام کی نظروں سے نہاں ہیں بھولے بھٹکوں کو راستہ بتانا ان کا کام ہے اور عالم آب خصوصاً انکی حکومت میں سمجھا جاتا ہے۔

۱۶۔ کلجگ

کلجگ ۔ ہندو فلسفہ نے دنیا کی عمر چار حصوں میں تقسیم کی ہے ستیگ، ترتیا۔ دواپر۔ اور کل جگ۔ ست یگ بہترین زمانہ تھا۔ ترتیا اور دواپر درمیانی لیکن کل یگ (کل جگ) جو آجکل ہے بدترین زمانہ ہے۔ ہر زمانہ کی مدت بہت وسیع ہے جس کا صحیح حساب بتانا بہت مشکل ہے۔

۱۳۔ بڑھاپا

یوسف ثانی۔ حضرت یوسف علیہ السلام بنی اسرائیل کے بڑے مشہور
اور برگزیدہ پیغمبر اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادہ
تھے۔ حسن وجمال میں اب تک انکا ثانی کوئی پیدا نہیں ہوا۔
اس لئے حسینان عالم کو یوسف کے حسن سے تشبیہہ
دی جاتی ہے۔ حضرت یعقوب ان سے بہت محبت کرتے
تھے۔ اس لئے انکے بھائیوں نے ان کو کنوین میں ڈھکیل دیا
خدا کی قدرت سے وہاں ان کو کوئی گزند نہ پھونچی اور ایک
شخص نے باہر نکال لیا اور اپنا غلام بنایا۔ آخرکار یہ مصر
میں فروخت ہوئے عزیز مصر کی زوجہ زلیخا ان پر عاشق ہوگئی
جس کے دام فریب سے یہ بہ مشکل اپنے کو محفوظ رکھ سکے۔
عرصہ دراز تک یہ مصر کے محبس میں قید رہے لیکن آخرکار
مصر کے بادشاہ ہوئے۔ ان کا قصہ تفصیل کے ساتھ ملا
جامی نے اپنی مشہور مثنوی یوسف زلیخا میں لکھا ہے۔

خضر۔ حضرت خضر علیہ السلام اسلام کے بڑے جلیل القدر پیغمبر اور

اُستادالاساتذہ سمجھا جاتا ہے۔

نانک۔ گرونانک سکھ مذہب کے موجد ہیں اسلئے سکھوں کے بہت بڑے پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا وطن پنجاب تھا اور یہ اورنگ زیب کے معاصر تھے۔

کبیر۔ یہ پنجاب کے بہت بڑے برگزیدہ بزرگ اور عارف شاعر گزرے ہیں۔ اِن کے اشعار اب ضرب المثل کا کام دیتے ہیں۔ دوھے امثالوں اور کہاوتوں کے طور پر زبان زد خلائق ہیں۔ اِن کا مذہب کسی کو معلوم نہیں، زندگی میں ہر فرقہ انہیں اپنے مذہب کا سمجھتا تھا جب انتقال ہوا تو لاش پر ہندو مسلمانوں نے جھگڑا کیا اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق تجہیز و تکفین کرنی چاہی جب چادر اُٹھا کر دیکھی تو لاش غائب تھی صرف کچھ پھول ہاتھ آئے جو نصف ہندؤں نے لیکر پھونک دئے اور نصف مسلمانوں نے لے کر دفن کر دئے اِن کا کلام تصوف کے رنگ میں ہے اور محبت کی تلقین کرتا ہے۔ رابندرا ناتھ ٹیگور نے اِس کا کچھ حصہ انگریزی میں ترجمہ کرکے شایع کرایا ہے۔

چڑھادیا گیا لیکن مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ اِن کو خداوند عالم نے زندہ اوٹھالیا اور اب چوتھے آسمان پر مقیم ہیں۔ حضرت امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے ہمراہ پھر دنیا میں تشریف لائینگے۔

لقمان۔ لقمان زمانۂ قدیم کا ایک بہت بڑا حکیم اور فلسفی گذرا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ ایشیائے کوچک کا باشندہ تھا اور ۵۷۰ قبل مسیح میں اس نے کریسس نامی بادشاہ کی خواہش سے شہر سارڈس میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ڈلفی کے باشندوں نے اس پر پیالہ چرانے کا جھوٹا الزام لگاکر اس کو ٹیلے سے سر کے بل نیچے گراکر ہلاک کرڈالا لقمان بڑا نیک کردار اور مرتاض شخص تھا اس نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے مصائب اُٹھائے۔ سبق آموز حکایات کا ایک مجموعہ اسکی یادگار ہے اور اُسکی اہمیت اس سے معلوم ہوسکتی ہے کہ سقراط نے اپنی زہر خورانی سے پیشتر اپنی حیات کے باقی چند گھنٹے جیل خانہ میں اسی کتاب کے مطالعہ میں گزارے تھے۔ اہل اسلام اس کو نبی کا درجہ دینے کے لئے تیار ہیں۔

فلاطون۔ یونان قدیم کا ایک بڑا حکیم اور مہتم بالشان فلسفی تھا، یہ سقراط کے ارشد تلانذہ میں تھا اور قدیم فلسفہ کا موجد اور

مخلدار خان - دلی میں مخلدار خان کا باغ شہر سے باہر چھاؤنی میں واقع ہے

ھانسی - مشہور تاریخی مقام ہے
حصار - مشہور تاریخی مقام ہے - } یہ سب پنجاب میں ہیں -
ٹھٹھہ - مشہور تاریخی مقام ہے

شہنواز خان - یہ ناصر جنگ والی ریاست حیدرآباد کا مدار المہام تھا -

سرفراز خان - سرفراز خان، شجاع الدین کا بیٹا اور مرشد قلی خان کا پوتا
تھا سنہ ۱۷۳۹ء میں اپنے باپ کا جانشین ہوا، نادر شاہ کا حملہ
اسی کے زمانہ میں ہوا - جب نادر شاہ چلا گیا تو علی وردی خان
صوبہ دار بہار نے محمد شاہ کے وزیر کو کچھ دے لے کر بنگال
کی صوبہ داری حاصل کر لی - سند لے کر مرشد آباد پر چڑھ دوڑا،
سرفراز خان گولی سے مارا گیا، علی وردی خاں اسکی جگہ تخت
پر بیٹھا اور خطبہ سکہ جاری کیا اور حسب وعدہ دہلی کو ایک
کروڑ زر نقد اور ستر لاکھ کے جواہرات بطور نذر روانہ کئے -

عیسیٰ - عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام - یہ بن باپ کے پیدا ہوئے
مسلمان اور عیسائی دونوں انکو پیغمبر سمجھتے ہیں - ان کا
معجزہ یہ تھا کہ مردوں کو جلا دیتے تھے اس لئے ان کا لقب
روح اللہ ہے - عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو صلیب پر

نسب خیال کرتا ہے اور سورج بنسی کے لقب سے ملقب ہے۔ اس خاندان کے راجہ اپنے تئیں رام چندر کی اولاد جانتے ہیں، سب سے پہلے چتوڑ گڈھ پر مامون نے حملہ کیا مگر اس کا حملہ ناکام رہا، علاء الدین خلجی نے حملہ کر کے اس پر فتح حاصل کی، اس فتح کے بیسیوں قصے بن گئے انہی میں آلا اودل بھی ہے، دوسری فتح اکبر نے حاصل کی۔

ستارا۔ ستارا وہ جگہ ہے جہاں رام راجہ قلعہ جنجی سے بھاگ کر قلعہ بند ہوا مگر اورنگ زیب نے ۱۷۰۰ء میں بذات خاص اس کا محاصرہ کر کے چوتھے ہی مہینہ فتح کر لیا تاریخ فتح ستارہ ۱۱ اپریل ۱۷۰۰ء ہے۔

کالنجر:۔ بندیلکھنڈ کا ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ ہے جس کے محاصرہ میں شیر شاہ کی جان گئی۔

پنجہزاری۔ شاہان مغلیہ کے زمانہ میں پنجہزاری ایک منصب تھا۔

امیر خان۔ امیر خان محمد شاہ رنگیلے کا مصاحب تھا اور بادشاہ کا بہت ہی منہ چڑھا تھا۔

ذوالفقار خان۔ ذوالفقار خان اورنگ زیب کا سپہ سالار تھا سنہ ۱۶۹۸ء میں قلعہ جنجی اس کے ہاتھ سے فتح ہوا۔

فوراً تمام کائنات وجود میں آگئی۔

۱۰۔ فنا نامہ

گوھر۔ شہزادہ علی گوہر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بعد کو شاہ عالم کے نام سے بادشاہ ہوا۔

ماھے مراتب۔ اعزازی نشانات۔ یہ انگریزی "کورٹ آف آرمس" کا مرادف ہے۔

جم۔ ایران قدیم کے مشہور بادشاہ جمشید کے نام کا مخفف ہے۔ یہ آتش پرست تھا اور اسی نے جام جمشید بنوایا تھا۔

اکبر۔ خاندان مغلیہ کا مشہور و معروف شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر۔

نوشیروان۔ ایران قدیم کا بادشاہ تھا، اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے ضرب المثل ہے، اسکا مذہب آتش پرستی تھا۔

راج بلنہی۔ راجپوت، راجہ کے خاندان کا۔

چتوڑگڈھ۔ ریاست اودے پور میں ایک مقام ہے جہاں ایک قدیم قلعہ بنا ہوا ہے، یہاں راجپوت راجاؤں کا ایک مشہور خاندان آباد رہا جو غایت شرافت سے اپنے آپ کو آفتاب

دیکھا کہ ممتاز محل اس سے ایک فرمایش کر رہی ہے کہ اسکا مقبرہ ایسا بے عدیل بنوایا جائے جسکی مثال و نظیر دنیا میں کہیں نہ ہو۔ اس عالم خواب میں شاہجہان نے وعدہ کرلیا۔ اس خواب کو دیکھے جب کئی روز ہو گئے تو ایک فقیر دربار میں آیا اور کہا کہ بابا بی بی کی وصیت بھول گیا، شاہجہان نے کہا سائیں جی بھولا تو نہیں لیکن اس پریشانی میں ہوں کہ نقشہ کہاں سے لاؤں۔ فقیر نے یہ سنکر ایک ٹھیکری اسکے ہاتھ میں دیدی اور کہا کہ اس نقشہ کا بنوادے، یہ کہکر غائب ہو گیا۔ مشہور ہے کہ وہ فقیر فرشتہ تھا اور ممتاز محل کے مکان بہشتی کا نقشہ شاہجہاں کو دیکر غایب ہو گیا۔ چونکہ بہشت کے نقشہ پر بنا ہے اس لئے تاج میں یہ دلفریبی ہے۔

۹۔ ذکر مرغان

کن فیکون۔ یہ عربی کا فقرہ قرآن مجید میں ہے اسکے معنی یہ ہیں "ہو جا پس ہو گیا"۔ اسلام کی کتاب آسمانی یعنی قرآن مجید میں ذکر ہے کہ خداوند عالم نے کائنات کو لفظ کن کہکر پیدا کیا اور

ابراہیم کو اس سے کوئی گزند نہ پہونچی۔

کلمہ - لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ یہ مسلمانون کے اعتقاد کا پہلا سبق اور جزو اعظم ہے۔

۷۔ روضۂ تاجگنج

دو مرقدین - ممتاز محل اور شاہجہاں کی قبرین اس کے اندر ہیں لیکن درمیان میں ممتاز محل کی ہے اسلئے کہ صرف اسی کے لئے یہ مقبرہ تعمیر کرایا گیا تھا شاہجہان کی وفات کے بعد اورنگ زیب نے شاہجہان کو بھی اسی میں ایک طرف دفن کرایا اور دوسرا تاجگنج بنوانا فضول خرچی سمجھکر اس سے قطعی انکار کر دیا۔

خط طغری - بہت سی قسم کے خط ہیں مثلاً خط نستعلیق، خط ثلث، خط گلزار وغیرہ وغیرہ منجملہ ان کے خط طغری بھی ہے۔ تاجگنج کے دروازہ پر یہی خط لکھا ہوا ہے۔

برج لبی - تسبیح خانہ کے قریب دریا کے کنارے جو برج ہے اسکو برج لبی کہتے ہیں۔

تاجدار شاہجہان - مشہور ہے کہ ممتاز محل کے بعد شاہجہان نے خواب

لائیگا تو خدا تجکو بہشت عطا کریگا۔ اس نے پوچھا بہشت کیا ہے، حضرت داؤد نے بہشت کے محاسن اسکے سامنے بیان کئے۔ اس نے جواب دیا کہ ایسا تو میں خود بنوا سکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سرزمین یمن میں ایک بہشت تعمیر کرایا جس کا نام ارم رکھا۔ جسوقت وہ بنکر تیار ہوا اور شداد اس میں جانے لگا تو ملک الموت نے اسکی روح قبض کر لی اور واصل جہنم ہوا۔

نمرود۔ اپنے زمانہ کا بہت بڑا بادشاہ گزرا ہے حضرت ابراہیمؑ اسی کے زمانہ میں تھے انکا چچا آذر بت تراش اور بت پرست تھا۔ حضرت ابراہیم کو اس مذہب سے نفرت تھی۔ آخرکار نمرود نے ایک بہت بڑی آگ روشن کرا کے حضرت ابراہیمؑ کو منجنیق میں رکھکر اس میں پھکوایا۔ اس دوران میں تمام آسمانی فرشتے ایک ایک کر کے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہمدردی کرنی چاہی لیکن آپنے ہر ایک کی مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کی مدد کے منتظر رہے۔ جسوقت آپ کو آگ میں پھینکا گیا خداوند تعالیٰ نے آگ کو سرد ہو جانے کا حکم دیا آگ سرد ہو گئی۔ اور حضرت

فرعون کو ہدایت فرمائی اور تلقین دین حق کرنی چاہی۔
فرعون نے قبول نہ کیا اور بڑے بڑے ساحروں سے
حضرت موسیٰ کے مقابلے کرائے۔ آپ نے سب کو اپنے
عصا کے ذریعہ سے شکست دی۔ آخرکار فرعون سے جنگ
کی نوبت آئی بہت سی مرتبہ حضرت موسیٰ ہارے لیکن
آخرکار غضب الٰہی فرعون اور اسکی فوج پر نازل ہوا اور
دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ کو دو معجزے
خداوند تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے ایک تو ید بیضا یعنی
آپکی کف دست مثل ماہتاب کے چمکتی تھی دوسرا عصا
یعنی جب اپنی لکڑی کو زمین پر ڈالدیتے تھے تو سانپ کی
شکل اختیار کر لیتی تھی۔

شداد۔ کہتے ہیں کہ عاد کے دو بیٹے تھے شداد اور شدید اور یہ
دونوں بادشاہ تھے۔ جب شدید مر گیا تو شداد سب
سب ملکوں کا بادشاہ ہوا اور بہت سے بادشاہوں نے
اسکی اطاعت اختیار کی۔ اس کا غرور یہاں تک بڑھا کہ
خدائی کا دعویٰ کرنے لگا۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد کو
اسکی ہدایت کے لئے بھیجا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر تو ایمان

عرفان اور تصوف کے عہدے ہیں، لیکن ولی کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔ ولایت عہدوں کے سلسلہ میں شامل نہیں لیکن فی نفسہ اعلیٰ ترین درجہ فقر و تصوف ہے۔

فرعون۔ فراعنہ کے خاندان نے عرصۂ دراز تک قدیم مصر پر حکومت کی ہے فرعون کسی فرد واحد کا نام نہیں بلکہ ایک خاندان کا لقب ہے اس خاندان کی لاشیں ممی بنی ہوئی اب تک مصر کے میناروں اور حفریات سے برآمد ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جو فرعون بادشاہ تھا اس کا نام جیولیس تھا اُسے نجومیوں نے خبر دی کہ تو موسیٰؑ کے ہاتھ سے جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا مارا جائے گا۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں جتنے بچے پیدا ہوتے تھے فرعون انہیں قتل کراتا تھا جب موسیٰ پیدا ہوئے تو انکی ماں نے فرعون کے ڈر سے انہیں ایک صندوق میں بند کرکے ایک دریا میں چھوڑ دیا۔ خدا کی قدرت دیکھو فرعون کی زوجہ آسیا نے اپنے باغ سے صندوق کو دریا میں بہتا دیکھکر نکلوالیا۔ آسیا کے کوئی اولاد نہ تھی اس نے موسیٰ کو مثل اپنی اولاد کے پرورش کیا جب موسیٰ بڑے ہوکر پیغمبر ہوئے تو

۴۔ عاشق نامہ

سارق مر۔ قدیم ترکی کا نام ہے۔
زانگ۔ زنگبار افریقہ میں ایک ملک کا نام ہے۔
برج۔ قدیم اسلامی نجوم کے مطابق آسمان پر بارہ برج ہیں۔
جن کے نام یہ ہیں حمل، حوت، دلو، جدی، قوس،
عقرب، میزان، سنبلہ، اسد، سرطان، جوزا،
ثور،

۵۔ آدمی نامہ

ابدال قطب غوث ولی } یہ تصوف کی اصطلاحیں اور مدارج عرفان کے نام ہیں۔ ابدال سب سے بڑے عارف کو کہتے ہیں اور یہ دنیا میں صرف چالیس ہوتے ہیں۔ غوث کا رتبہ ابدال سے کم ہے اور یہ بہت ہو سکتے ہیں۔ قطب کا مرتبہ غوث سے کم ہے لیکن ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ تو سب مدارج

پانی ہے اس پر ایک مچھلی قائم ہے اور اُس پر ایک گائے
کھڑی ہوئی ہے اور گائے کے ایک سینگ پر دنیا قائم ہے
چنانچہ جب گائے کا ایک سینگ تھک جاتا ہے تو وہ
دوسرا بدلتی ہے اس طرح جو حرکت ہوتی ہے اس کا
نام زلزلہ ہے۔ اس لئے اس محاورے کے یہ معنی
ہیں کہ اوج کے اعلیٰ ترین نقطہ ماہ سے لے کر حضیض کے
پست ترین نقطہ ماہی تک۔

۳۔ بنجارہ نامہ

سیسہ داد واد گولا۔ زمانہ قدیم میں جب غنیم قلعہ پر حملہ کرتا تھا اور خندق کو
پار کر کے دروازہ توڑنے پر آمادہ ہوتا تھا تو قلعہ کے اوپر سے
اس پر بہت سے حملے کئے جاتے تھے منجملہ ان کے گولے
بھی مارے جاتے تھے اور سیسہ بھی پگھلا کر ڈالا جاتا تھا
کہ ان باتوں سے مجبور ہو کر پسپا ہو جائے

خسرو نے فرہاد نامی سنگتراش کو بلا کر حکم دیا کہ بے ستون
نامی پہاڑ سے "جوئے شیر" کاٹ کر لائے۔ فرہاد شیرین کو دیکھ کر
عاشق ہو گیا اور اسی عالم جنون و بدحواسی میں پہاڑ کاٹنا
شروع کر دیا۔ یہ خبر شدہ شدہ خسرو کو پہنچی اس نے بدنامی
کے خیال سے فرہاد کو خفیہ قتل کرانے کی کوشش کی۔ یہ کام ایک
ایک پیرزن کے سپرد کیا گیا وہ اس مقام پر پہونچی جہاں فرہاد
شیرین کے عشق میں مبہوت نہر کاٹ رہا تھا اور اس سے
کہا کہ شیرین نے اپنی جان دیدی۔ دیوانہ عاشق کے لئے
یہ تازیانہ کافی تھا یہ خبر وحشت اثر سنتے ہی فرہاد نے تیشہ
مار کر اپنا کام تمام کر لیا۔ جب یہ خبر شیرین کو پہونچی فرہاد کا
تیر عشق اس کے جگر کے پار ہو گیا۔ اس کی وفاداری اور
صداقت عشق پر دیوانی ہو کر شیرین نے بھی اپنے کو ہلاک
کر لیا۔ فرہاد و شیرین کا وجود اب دنیا میں نہیں لیکن ان کی محبت
کا افسانہ اب تک ہمارے تڑپانے کے لئے زندہ ہے۔

۳۔ بوسیاف کی جہاز ران

والا تابہ ماھے۔ قدیم فلسفۂ ہندوستان اس کا قائل ہے کہ سب سے نیچے

حملہ کیا اور وہاں کے آتش پرست بادشاہ دارا سے ابکی
جنگ ہوئی۔ جس میں سکندر فتح مند ہوا اور دارا مغلوب۔
نظامی کی مشہور مثنوی سکندر نامہ میں یہ تاریخی فسانہ
نہایت وضاحت کے ساتھ مرقوم ہے۔

مجنوں لیلی۔ قیس جس کا لقب بعد کو مجنون ہوا عرب کا ضرب المثل
عاشق ہے۔ یہ قبیلہ بنی عامر کا ایک فرد اور جناب امام حسن
علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ لیلی اس کی معشوقہ نجد کی رہنی والی تھی۔
جس پر یہ بچپن ہی میں مکتب میں عاشق ہو گیا تھا۔ یہ بدنصیب
ناکام و نامراد مرا عشاق میں اس کا نام اب بھی نہایت
احترام سے لیا جاتا ہے

ع قیس سا پھر نہ اوٹھا کوئی بنی عامر مین

فرہاد و شیریں۔ ایران کے آتش پرست بادشاہ خسرو نے شیریں نگار
ارمنی کی تصویر پر عاشق ہو کر اسے شادی کا پیغام دیا اور
وہ اپنے ملک سے شادی کرنے کے لئے ایران آئی۔
شیریں کی ماں نے اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنے
واسطے پہلے محل و باغ و نہر تعمیر کرالے اُسوقت شادی کرنے پر
رضامند ہو۔ چنانچہ اس نے اس کی فرمایش خسرو سے کی

۱- آگہی نامہ

گنبد ازرق۔ نیلا آسمان۔ مشرقی نجوم اور قدیم فلسفہ کی بنا پر
آسمان کو گردش کرنیوالا سمجھا جاتا ہے اور شعرا اس کو
گنبد سے تشبیہ دیتے ہیں۔

لوح قلم عرش۔ اسلامی عقیدہ ہے کہ یہ آسمان جو نظر آتا ہے یہ عرش
ہے اس پر ایک جگہ کرسی ہے اور کرسی پر لوح محفوظ ہے
جس پر قرآن مجید اور دیگر کتب آسمانی یعنی زبور، توریت
انجیل وغیرہ منقوش ہیں۔ جس قلم نے ان کتب کو لوح پر
تحریر کیا اسے قلم قدرت کہتے ہیں۔

عالم ارواح۔ وہ مقام جہاں مرنے کے بعد روحوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

عالم جنات۔ وہ مقام جو جنات کا مسکن ہے۔

دارا و سکندر۔ مقدونیہ کے بادشاہ سکندر اعظم نے ایران قدیم پر

حواشی

۳۸۔ مُوتی

بلیس۔ تتھ۔
مزمون۔ کان کی لو۔
دھگدگی۔ سینے کا ایک زیور
پور۔ اُنگلی کا پورا، ٹکڑا
لہنے۔ حصہ
وارئیے۔ قربان کیجئے۔ نثار کیجئے

۳۹۔ خمسہ بر غزلِ حافظ

عصیان۔ گناہ
اھلِ تقوی۔ پرہیزگار
پیرِمغان۔ سالک
عشقِ مجازی۔ دنیا اور اسبابِ دنیا کی محبت
قدس مقام۔ پاک و پاکیزہ۔ مُنزّہ
عشقِ حقیقی۔ خدا کی محبت
شنا۔ پیرنا
معدن۔ کان

۴۰۔ اکبرآباد

جہاں تہاں۔ کسی کسی جگہ
عارض۔ رخسار
جعد۔ زلف
نبات۔ مصری

بندھن۔ رشتہ۔ تعلق
جترَان۔ جسم۔ بدن
کٹھن۔ مشکل۔
لگن۔ دُھن
اکسیر۔ امرت۔
قدح۔ پیالہ

نین۔ آنکھیں
اچپل۔ شوخ
آسن۔ نشست
چھتر۔ شامیانہ
سنگھاسن پالکی۔ ایک قدیم سواری

۳۷۔ جوگن نامہ

تونبہ۔ کشکول
منکون۔ تسبیح کے دانے
چندرماں۔ چاند۔
پت۔ شوہر
ساجن۔ معشوق
بیری۔ دشمن۔
کمتی۔ کمی

مَن۔ میرے
شہانہ۔ شاہانہ
جَلیُو۔ جل جائے
متوالا۔ سرشار۔ دیوانہ
گنگ۔ گنگا
بُہاروں۔ جھاڑوں۔ صاف کروں
پیا۔ پیارے۔ عاشق

دھینگا مشتی - زبردستی مار دھاڑ کرنا	پُھلون - خوشی، شگفتگی
نوکا جھوکی - مذاق، فقرہ بازیان	کامینون - کامنی حسین دلربا نازک اندام عورت

۳۶- جوگی نامہ

پھبن - زینت	سیلے - چادر، ڈوپٹہ
ذقن - ٹھوڑی	پنتھ - گروہ
بید - ایک درخت کا نام -	برن - تھوک، جماعت، قبیلہ
تکلم - گفتگو	گیان - خدا کا وقوف، عرفان
مُندرے - حلقہ	رمائی - لگی
سیلی - سیلاب	لنگھن - فاقہ
نمن - طرح	کارن - وجہ، سبب
بھبوت - راکھ	استھل - خانقاہ اڈہ
پونگی - عام اصطلاح میں اسکو بین کہتے ہین بین حالانکہ دوسری چیز ہے	مگن - خوش و خرم -
ھر - خدا	اٹ بٹ - جھگڑا - اُلجھن
درشن - دیدار	پیتم - معشوق -
	انیت - جوگیون کی ایک قسم

پاپی - کنجوس، بخیل
داتا - سخی -
ڈنکا - شہرہ -
من مانتا - خاطر خواہ

کٹن - قرمساق، دیوث
خالصہ - گورنٹ
ڈل - نقدی، زر
اَن - کھانا، رزق

۳۴ - چاندنی رات

ہلورین - موجیں مارنا - ہچکولے لینا -
گجر - صبح کا مسلسل گھنٹہ
دو چار - بے حجاب

فرار - غائب
ھک نہ دھک - بے شان و گمان
جیون میں - طبیعتوں میں

۳۵ - ہولی

خرسند - خوش
سج دھج - چلبلاپن، سنگھار
سوانگ - کسی کی صورت بنانا
موہ لیا - چھین لیا

مردنگ - ایک قسم کا ڈھولک
جھڑبلین - تار کی آواز
جاگہ - جگہ
عبیر - گلال

۳۱- ریچھ کا بچہ

سونٹا۔ ڈنڈا۔
جھولنا۔ جھول
ڈر۔ مولی، بندے
منوتا۔ چنج، ہاتھی کی آواز
ڈکارہیں آواز شتر

جنگلے۔ جنگل
سدھایا۔ رام کیا
ڈھپلی۔ ڈفلی
کہروا۔ ایک قسم کا ناچ
سحر۔ جادو

۳۲- راکھی

راکھی۔ ایک قسم کا اون اور
سنہری پھولوں کا ہار جو
سلونوں کے دن باندھا جاتا ہے

باہمن۔ برہمن
دوانی۔ دیوانی
قشقہ۔ ٹیکا۔

۳۳- سخاوت و عشرت

تن زیب۔ ایک قسم کا باریک کپڑا | تن سکھ۔ ایک قسم کا کپڑا

مول - قیمت

ٹھٹولیاں - مذاق

کھڑکھوٹا - فاسد خیالات کا ہجوم

عالمِ میں حسین، پُرجمال

گڑھنا - بناتے

جوبن - حسن

جوجرے - پرانے، استعمال شدہ

۲۹- کوا اور ہرن کا بچہ

لگا - بھلا چنگا

حذر - ڈر، پرہیز

بدسگال - بدمعاش، بدوضع

لپٹ - زمین سے مل کر

جھپاک - فوراً، جلدی سے

چیتنا - چاہا، سوچا

۳۰- خواب کا طلسم

کڑی کڑی - بے عقل و ہوش، بکثرت

کھان - کان

جڑات - جڑاؤ

ہڑبڑی - گھبراہٹ، ہیجان، اضطراب

لوٹ پوٹ - بے قابو، بے تاب

بناؤ - سنگھار، آرائش

بکھرن - بوچھار، جھڑی

دھڑی - بیس سیر، کثیر

۲۶۔ موسمِ سرما

چِلاؔ۔ چلّے کا جاڑا، سخت سردی	نیمہ۔ نیم آستین
مہاوٹ۔ اگھن کی بارش	جان۔ معشوقہ، نازنین
باؤ۔ ہوا	چھب۔ طرحداری

۲۷۔ اومس

اومس۔ سڑی گرمی	بدلی۔ بادل
ہٹا۔ سراسر	آئین۔ بھریں ابر کریں
تاؤ۔ غصہ	آدھن۔ کھولتا ہوا پانی

۲۸۔ کورا برتن

کھنکی۔ پڑی، اگری، جس سے آواز پیدا ہوئی	مات۔ شکستہ
	گولی۔ بڑا مٹکا

گوالوں - چرواہوں
گوئیں - گائیں
بنسی - بانسری
پنچھی پکھیرو - چڑیوں کے
نام
ہیں

شیام جی - کرشن جی
مرلی - بانسری
موہن - پیارے
جتن - طریقے، ڈھب
بچن - درود
چل پون - پاؤں چلنے والا

۲۵- آگرے کی تیراکی

پیرانے - تیرنے
رُت - موسم
سیانے - سمجھدار، جوان
دل لگن - دلچسپی
بستار - کرتب
کرارے - کنارے
بجرے - کشتی

ناؤ - بڑی کشتی
جھینو - کشتی
ڈونگے - سیر و تفریح کی کشتی
سینے - ایک قسم کی لمبی کشتی
نواڑے - چھوٹی کشتی
سہرا - پھولوں کا گجرا
تیر - کنارہ

موں - مجھ پر
واں - اس
بول - باتیں
گربھ - غرور
سبھا - انجمن
پرکھ - عاقل دانا
مارن ھارا مارنے والا قاتل
مورکھ - شیطان، گنہگار
ھنکار لیا - غرور کرنا تعلی کرنا
بھو - ڈر، خوف
سگرے - سارے
بسرے - زائل ہوئے
مات پتا - ماں باپ
ناؤں - نام
ریکھا - لکیر
پاچھے - پیچھے، آخر میں
مارگ - چارہ، طریقہ

پھند - جال
نکسن - نکلنے
رسوئی - طعام کھانے پکانے کا مکان
دوار - دروازہ
ھارے - والے
وا - وہ
چنڈال - بدذات شیطان
پرگھٹ - پیدائش
اجالی - روشنی
گھیر - جمع کرنا
باشی - باشندے
دیا - عنایت
حال - فوراً
کرم - قسمت
مکھ - منہ
ایشر - خدا
سانکو سانکل زنجیر کنڈی

۲۳۔ جنم کنھیا جی

ریت ۔ رسم ورواج
جنم ۔ زمانہ
بالا ۔ بچہ، طفل
منڈل ۔ مکان
بتھا ۔ رنج و غم
نچھتر ۔ ساعت
اوتار ۔ پیغمبر
سبھ ۔ نیک سعد
گربھ ۔ حمل
نارد من ۔ روشن ضمیر
شست ۔ عالم
ابکاس ۔ حرکات، افعال
بل ۔ زور
تیج ۔ رعب

انیک ۔ انواع اقسام
ڈیل ۔ جسم
گج ۔ ہاتھی
ترنگ ۔ گھوڑے
نیکے ۔ عمدہ، اعلیٰ
پاپی ۔ گنہگار
کٹک دل ۔ بے شمار فوج
بھیج ۔ شکل و شباہت
دوجا ۔ دوسرا
بلی ۔ قوی، طاقت ور
بان ۔ تیر
بڑا بل ۔ مشہور طاقتور
دشٹ ۔ بدذات شیطان، ظالم
جلالہ ۔ تعلی

چھکتے - مست
آہنگ - آواز، سُر
منہ چنگ - ایک منہ سے بجنے کا باجا
خوبون - معشوق، حسین
ڈوبوں - سرابور
بھوبیئے - بھانڈ بھاؤ بتا کر ناچنے والے لونڈے

چھکوڑ - ہنگام
پھکوڑ - بدلگام، یاوہ گو
لکوٹ - لکڑی کا بڑا موٹا ٹکڑا جو آگ کے لئے سلگتا ہے
لترپتھڑ - سرابور، لسا ہوا، غلطاں

۲۲- نانک گرو

اگاہ - عارف
جگ - دنیا
سیس - سر
نوا - جھکا کر
اردّاس - عرضداشت
وچ - بیچ
دھیان - خیال

سیوک - خادم، پرستار
کاج - خواہش، آرزو
من - دل
گھتے - ہاتھ پکڑتے، دستگیری کرتے
چنتا - تردد، اضطراب
ہرتے - دور کرتے ہیں
وو - وہ

نکّی موٹھ ۔ ایک قسم چوہے کی
نرد ۔ چوسر کی گوٹ
زار زار ۔ تباہ حال
ازار ۔ پاجامہ
نوگرھی ۔ ایک زیور کا نام ہے
گھڑوے ۔ ملامت

جھونٹے ۔ بال
خندی ۔ چھنال
فیرا ۔ ن نزگانا
آڑے آنا ۔ دستگیر ہونا
ٹھانیو ۔ اختیار کرنا
بکھانیو ۔ بیان کرنا

۲۰۔ حضرت بیلم حقّی

دوجہاں ۔ دنیا و عقبیٰ
عرفان ۔ تصوف، خداشناسی
لوا ۔ جھنڈا، علم
مقتدا ۔ پیشوا

مسلّم ۔ ثابت
سالک ۔ چلنے والے، شاگرد
تفاوت ۔ فرق
دوجگ ۔ دوجہاں

۲۱۔ ھولی کی بہار

دف ۔ ایک ایرانی باجا، ڈھولک

دمکتے ۔ روشن، چمکدار

گوبری - ایک راگنی کا نام ہے۔
بھیاس - ایک راگنی کا نام ہے
بول بول - منت مان کر
حلال خوری - جہزانی -

ٹھٹول - مذاق
چدرا - چادر
نجابت - حسب نسب کی درستی
ندان - آخرکار -

۱۸- معجزہ حضرت علی علیہ السلام

بنی - جنگل
جنا - پیدا کرنا
جیبا - زبان
عنقریب - قریب
بجنا - آواز

شوم - بدبخت
قدیم - سلف، ہمیشہ سے
کھپاتی - زائل کرتی
کرم نہاد - بخشش کرنے والے محسن
ناتمام - عاجز

۱۹- دوالی

دیا - چراغ
کھلونے، شکر کے کھلونے

گنڈے - پانچ کوڑی
گوپا - ہرن

۱۶۔ کلجگ

کرجگت۔ جائے عمل، جائے مکافات
بسیلکھا۔ شمار، شناخت
نس۔ اسل
پریکھا۔ تنقید، پرکھ، پہچان
تل تل۔ ذرہ ذرہ
لیکھا۔ تحریر
پُرا۔ محلہ

چیتے۔ چاہیے۔
کل۔ آرام، چین
کلپاوے گا۔ دکھ دے گا۔
آن۔ ذرا سی دیر
طوفان۔ بہتان
جاگہ۔ جگہ، مقام
باک۔ خوف، ہشیاری

۱۷۔ مفلسی

چپاتی۔ شرمندہ کراتی
آن: حمیت، غیرت
ست۔ طاقت، خیر و برکت
گذر گئی۔ مرگئی

پھکڑیاں۔ خواریاں، ذلتیں
جھکڑیاں۔ خاردار درخت
پرے۔ دوسری طرف، منہ پھیر کر
کلاونوٹ۔ گویا

پُن - خیرات

دان - خیرات

بھاجی - مرنے کا کھانا جو اعزّا کرتے ہیں

ناکندا - وحشی، بد لگام

ہلکان - پریشان، ہیجان، پژمردہ

لاگ - دلچسپی، حرص

کرنی - افعال، اعمال

سکھ - آرام

چنتی - گھلاتی ہے

آنند - آرام

پھندا - مکر و فریب

ارتھی - جنازہ

ہستی - ہاتھی

اسواری - سواری

۱۵- خوشامد

ڈھب - ڈھنگ، انداز

بیچ - اندر

سروکار - تعلق

آشنا - شناسا

خرابی - بدت

پیر - مرشد، ولی

جون - مثل | بن - زمانہ، عالم

۱۳- بُڑھاپا

کُنے - پاس
رُوکھ - درخت
پت جھڑ - خزاں
ادھورے - بیکار، لاچار، اپاہج
لنڈورے - بے دم
پھکڑی - تضحیک
مت - عقل
جگت - پھبتی

لگاوٹ - محبت، تعلق
چاہت - محبت
لت - عادت
ڈھاک - ایک ہندوستانی پیڑ کا نام ہے
پات - پتّے
بھبوکے - سفید گورے
چاہ - محبت، نوازش

۱۴- فقیروں کی صدا

بٹ مار - رہزن
بس - قابو

من - طبیعت، قلب، دل
باج چکا - بج چکا

گبر۔ آتش پرست۔ | نقاش۔ صورت گر

۱۱۔ طفی

منت۔ مراد
دون۔ ویسے، ہر طرح
بگڑنا۔ خفا ہونا
گھرنا۔ قید

اونٹتے۔ پھیلاتے
کھسونٹتے۔ کھینچتے
سلونا۔ نمکین
بھونپو۔ منہ سے بجنے والا باجا

۱۲۔ جوانی

دنگ۔ حیران
پھندے میں۔ گرفتار
معجون۔ نشہ کی ایک شے ہے
گل۔ زخم
سین۔ اشارہ، آنکھ کا اشارہ

نین۔ آنکھ
سیف۔ تلوار
چاؤ۔ آؤبھگت، خوشی
بھاؤ۔ نمود کرنا
چہل بل۔ غمزے، ادائیں

فوجدار۔ افسر پولیس کا عہدہ
کٹک۔ زبان مارواڑی میں لشکر
کو کہتے ہیں۔
خاصہ۔ مخصوص
جُلیب۔ چلنے والا
مرمر۔ بہ مشکل
لبیدکا۔ سونٹا آلہ سزا
مردھا۔ مردھہ، دس جوان کا افسر
ایک عہدہ دار جو سرکار کی
طرف سے دیہاتوں پر مقرر
کیا جاتا ہے۔
چیرہ۔ ایک قسم کا صافہ
جمدھر۔ ایک قسم کا خنجر
خود لڑائی کے وقت سر کی پوشش
سلاح ہتیار
بکتر۔ زرہ، لوہا کا بنا ہوا جامہ
گنڈا۔ بدمعاش شہدا

بانکا۔ رنگیلا سپاہی وضعدار
سپر۔ ڈھال
بچارہے۔ سوچے
سبد۔ شبدنانک شاہیوں کی
اصطلاح میں گیت کو کہتے ہیں
وید۔ اہل ہنود کی مقدس کتاب۔
یہ چار ہیں
پران۔ ہنود کی ایک مقدس کتاب
کا نام ہے
مصر۔ عالم
نویلے۔ نئے
جنگم۔ ایک قسم کا فقیر جس کے
سر پر جٹائیں ہوتی ہیں اور
ہاتھ میں سونٹا۔
سیوڑا۔ جین مذہب کا فقیر
جٹا۔ بالوں کا گچھا
بانکا۔ چیلا

کل - آرام

چل بہ چل - بیکار

۹۔ ذکر مرغان

کھتون - خدا۔

سانجھ - شام

سویرے - صبح

بیچون - خدا جس کے وجود میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

تپتے - جلتے

کلپتے - تڑپتے، بے چین رہتے ہیں۔

جپتے - دہراتے ہیں

دادر - مینڈک

تخم - بیج

پنکھی - پرند

۰۔ افسانہ

افسر - تاج

سرور - سردار

دُہائی - حکومت

مورچہ - محفوظ مقام، قلعہ

سنگھ - لشکر

جھپان - ایک قسم کی عماری نما پالکی

میگ ڈمبر - ایک قسم کی گاڑی

مہر چھاپا - حکم، عمل

۷- روضۂ تاج گنج

گمٹیاں - چھوٹے گنبد
اساس - مضبوط
باس - خوشبو
مجّر - جالیاں

سہاگ - تازگی، شگفتگی
مجلّی - چمک دار
سروسہی - سیدھے سرو
شکرشکن - خوش آواز

۸- تندرستی نامہ

حرمت - عزت
سدا - ہمیشہ
چلن - چال چلن
تئیں - واسطے، کو، کے لئے
میری - سرداری
عین - مخصوص
سراسر - بالکل

نباہ - بسر اوقات
بنے ٹھنے - خوبصورت، سجے ہوئے
بنے - دولہا
ووھیں - فوراً، اسی دم
سو - وہ
تن - بدن
کل - مشین

جاضرور - پاخانہ
داگڑے - مجیرے

شنگ - طرحدار
مرید - شاگرد

ہنس نامہ

سمبر - سفید رنگ
طور - قسم
سنوارا - بنایا، سجایا
چاہت - محبت
چنگ - ایک ایرانی باجے کا نام ہے
سیمرغ - رخ، ہما، عنقا، موسیقار / فنکس کی طرح رومان کا پرندہ ہے
مدارا - خاطر مدارات
ٹرنگے - بڑھیا رنگ کا ایک ہرن
خنس - بدصورت
کھپی - پسند آئی
چھابنو - شرمیلی

جھپ - فوراً
ہوی - بیہودی
وارا - نثار کیا
پیت - محبت
سہارا - برداشت کیا
پنکھ - پر
پسارا - پھیلایا
کڑارا - مضبوط
سرپیشے - کیفیت، راستہ
نرالا - نیزہ
سدھارا - روانہ ہوا

سرابیل - راسے بیل
سیل - نام حیتا، بھاری بوجھ
حال - عالم بیخودی، وجدان
حرم - کعبہ، مسجد
پوتھی - مقدس کتاب
سماچار - حالات، روایات، مضامین
وار - اس کنارے پر
سُمرن - تسبیح

بھوگی - عیاش، غنی
سوگی - مہجور، فرقت زدہ
بیکنٹھ - جنت
سکنات - خموشی، سکون
مرگانک - کشتہ
دانگ - مال، سہارا
تھانگ - نقب
مایا - مہر شفقت

۵- آدمی نامہ

بینوا - محتاج
کہاتا - مشہور
برملا - کھُلم کھُلا
حسن - نیکی، اچھائی
قبح - عیب
ساوھر - ذہب، چالاک

ھادی - رہنما
امام - پیش نماز، پیشوا
تاڑتا - بھانپنا، بھانپتا
نقیب -
چاکر - نوکر
مزدور - مزدور

پلا ۔ پلڑا، ترازو کا پلا

سربھارا ۔ سر پر رکھنے کا ہتھیار

لکھی ۔ لکھ پتی

چترا ۔ ہنر

داکھ ۔ کشمش

کیسر ۔ زعفران

دھن ۔ دولت

ناتی ۔ نواسہ

ڈانڈا ۔ لاؤ لشکر

بھانڈا ۔ بھرم، دکھاوٹ کا سامان

کھانڈا ۔ غالباً کسی پرانے ہتھیار کا نام ہے

نایک ۔ سپاہی، جان، روح

ہانڈا ۔ سیاح، پھرنے والا

ڈھل ۔ گر پڑنا

دھی پوت ۔ ہونہار فرزند

جنوائی ۔ داماد

کھپنی ۔ تباہ ہونی، برباد ہونی

چوپاری ۔ بالاخانہ کا کمرہ جس میں چاروں طرف کھڑکیاں ہوں

بان ۔ تیر

تاش تمامی ۔ ایک قدیم کپڑا

کوٹ ۔ عمارت، محل

سانل ۔ دیوار قلعہ کے موکھے

گڑھکا ۔ چھوٹا قلعہ

رہکلہ ۔ چھوٹی توپ

دائی ۔ دودھ پلانے والی، رضاعی ماں

ددا ۔ کھلانے والی

چیلا ۔ شاگرد

کھنگا ۔ چھوٹے سے چھوٹا کیڑا

۴۔ عاشقِ ماہ

نت ۔ ہمیشہ

نیرنگ ۔

گھمنڈ ۔ یکجا ہونا۔ جمع ہونا
ٹکوریں ۔ ٹکریں
ملار ۔ برسات کا گیت
نراٹل ۔ بیہودہ آواز
سیج ۔ بستر
سوھین ۔ زیب دینا۔ سجنا
ابرن ۔ پوشاک
سوگن ۔ زحمت زدہ
برہا ۔ دردِ زحمت
برھن ۔ مہجور عورت
سدہ خبر
امڈی بھری
ماروجی ۔ جنگجو معشوق
رین ۔ رات

جنگلے ۔ جنگل
سنگ ۔ ہمراہ
اسارا ۔ چھپر کا دالان
دوانا ۔ پاگل ۔ دیوانہ
اٹاری ۔ چھپر کا بالاخانہ
نِدان ۔ آخرکار
بکیڑا ۔ سانپ
گھلاوٹ حسن
جھمک ۔ پست
کھوئی ۔ بورے کی چادر
نکھٹو ۔ نالائق
کنے ۔ پاس
رت ۔ موسم
اکس ۔ اٹھنا

۳۔ بنجارہ نامہ

بدیس پردیس
گونین ۔ جمع ہے گون کی یعنی بوری بوری

فرہنگ

باغات پر بہار عمارات پرنگار بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
محبوب دل فریب گل اندام و گلعذار گلشن کہیں ہیں آپ کو گلزار پر بہار
کوچے کہیں ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا کیا لکھے دیکھو جدھر اُدھر گل عشرت ہیں کھل رہے
ایدھر کو قہقہے ہیں تو اُدھر کو چہچہے اشجار باغ و شہر وہ سرسبز لہلہے
سبزوں کو جن کے دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوہ جات دیکھے تو پھر نبات سے بن آوے کچھ نہ بات
شہداں پہ آٹھ پہر لگائے رہے ہے گھات قند و شکر بھی دل سے فدا ہیں دن اور رات
رہتے ہیں اُن کے وصف میں ہر دم شکر فشاں

نہر جمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر لاکھوں بہاریں رکھتی ہے ایک ایک جس کی لہر
کوئی نہاوے اور کوئی منہ دھو کے شاد بہر اس پر ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنان شہر
شمشاد و سرو ہوتے ہیں جوں نہر پر عیاں

گریاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم تو بحر صفحہ بیچ لگے پیرنے قلم
پیرے ہیں اس روش کی کہ اوروں سے ہو بہم سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دم بدم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہل شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا لہریں نشاط و عیش کی اُٹھتی ہیں دل میں آ
ملتا نہیں کنار کچھ عشرت کے بحر کا ساحل پہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا

یعنی ہے جاں تری عشق مجازی کی بنی
دور کر دل سے یہ الفت جو ہے خوباں کی جنی
در ہوائے لب شیریں دہناں چند کنی
جوہر روح بیاقوت مذاب آلودہ

اے ہوس ناک یہ ہے میکدۂ قدس مقام
بیٹھے مستان ازل کرتے ہیں یاں شرب مدام
تو بھی وہ ہے جو پیا چاہے تو اے نیک انجام
شستشوئے کن وانگہ بخرابات خرام

تا نہ گردد ز تو ایں دیر خراب آلودہ

گر تجھے عشق حقیقی لے ہے کچھ دی توفیق
تو تو سیکھ آن کے یاں اہل طریقت کا طریق
ایک ادنیٰ سا یہ اس عشق کا نکتہ ہے دقیق
آشنایان رہ عشق دریں بحر عمیق

غرق گشتند و نہ گشتند باب آلودہ

یہ وہ دریا نہیں تو جس میں کرے آکے شنا
یہ تو ہے معدنِ انوار و یقیں صدق و صفا
گر تو چاہے کہ یہاں آوے تو اے غرق ریا

نظیر بس بیٹھ کے سن جنس کریں لگی کہنے
اگر ہوتے تو دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

(۱۳۹) خمسہ بر غزل حافظ

تھا جو از بسکہ میں عصیاں میں شراب آلودہ
طاعت کرتے رہا تھا تیا سب آلودہ
اہل تقوے کا سمجھے وا اندوہ آب آلودہ
دوش رفتم بدر میکدہ خواب آلودہ
خرقہ تر دامن و سجادہ شراب آلودہ

لے گیا شوق جو واں مجھ کو اٹھا وقت سروش
جاتے ہی در پہ گرا پیر مغاں کے مدہوش
دیکھ کر مجھ کو پڑا خواب میں غفلت کے خموش
آمد افسوس کناں مغبچہ بادہ فروش
گفت بیدار شو اے رہرو خواب آلودہ

جب میں جاگا تو کہا اس نے بہ شیریں سخنی

توہر جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں
کسی دل سے بگڑتے ہیں کسی کے جی پہ اڑتے ہیں
کڑے سونے کے کیا موتی بھی اس کے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہیں دیکھو ہیں اس کی کفش پر موتی
خفا ہو اِن دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہے جو ہم سے وُو
تو اس کے غم میں جو ہم پر گزرتا ہے سو مت پوچھو
چلے آتے ہیں آنسو دل پڑا ہے صبر میں غش ہو
وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشم تر موتی
شفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے
و یا ابرِ گلابی میں کہیں بجلی چمک جاوے
بیاں ہو کس طرح سے آہ اس عالم کو کیا کہئے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اسکے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی
ہیں کیونکر پر پڑا دوں سے بوسوں کے نہ ں لہنے
جڑاؤ موتیوں کے اس غزل پر وارئے گہنے
سخن کی کچھ جو اس کے دل میں ہے لفت لگی رہنے

ادھر ہے لعل اور ادھر نیلم ادھر مرجاں ادھر موتی
کبھی جو بال بال اپنے میں وہ موتی پروتی ہے
نزاکت سے عرق کی بوند بھی کھڑے کو موتی ہے
بدن بھی موتی سے تا پاؤں سے پسینے بھی ہوتی ہے
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی کچھ پسینے کے وہ تر موتی
گلے میں اسکے جسدم موتیوں کے ہار ہوتے ہیں
چمن کے گل سب اسکے وصف میں موتی پروتے ہیں
نہ تمہار رشک سے قطرات شبنم دل میں روتے ہیں
فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
باہمن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشک قمر موتی
وہ زیور موتیوں کا واہ اور کچھ تن وہ موتی سا
پھر اس پر موتیا کے ہار بازو بند اور گجر
سراپا زیب و زینت میں یہ عالم دیکھ کر اس کا
جو کہتا ہوں ارے ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر موتی
کڑے پازیب توڑے جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں

ادھر جگنو ادھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
بھرے ہیں اس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی
گلے میں کان میں نتھہ میں جدھر دیکھو ادھر موتی

کوئی اس چاند سے ماتھے کے ٹیکے میں اچھلتا ہے
کوئی بندوں سے ملکر کان کی نرموں میں ملتا ہے
لپٹ کر دھگدگی میں کوئی سینہ پر مچلتا ہے
کوئی جھمکوں میں جھولے ہے کوئی بالی میں ہلتا ہے
یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ ناز میں ہنس کر جو کچھ باتیں بناتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے
ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے
وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اسکے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

غلط ہے اس لب رنگیں کو برگ گل سے کیا نسبت
کہ جن کی ہے عقیق اور پنے اور یاقوت کو حسرت
اُداھٹ کچھ مسی کی اور کچھ اس پر پان کی رنگت
وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت

کبھی منہ پیٹ لیا جیب کبھی چاک کیا

آرزو ہے کہ ہیں سو جاں سے ہوں تجھ پہ فدا

دیکھے ٹک آن کے تو بھی تو مرا جو گن پا

تو کہیں اور رہیں کہیں اس سے تو مر ہی جاؤں

اے مرے ماہ جبیں اس سے تو مر ہی جاؤں

تجھکو بھی ہووے یقیں اس سے تو مر ہی جاؤں

تاب جینے کی نہیں اس سے تو مر ہی جاؤں

ہے جدائی کی نپٹ مجھ پہ مصیبت یہ کٹھن

یا الٰہی کوئی مجھ سا بھی نہ ہووے دلگیر

خجل و خوار پریشاں و ذلیل اور حقیر

طور بے طور نظر آتے ہیں ہول ایسے نظیر

حسرتا آہ چہ بینم بغم یار شریر

من حزین دز غم او خلق حزین از غم من

(۳۸) موتی

رہے ہیں اب تو پاس اس شوخ کے شام و سحر موتی

جبیں پر موتی اور سیر میں موتی مانگ پر موتی

جو نہ سہنا تھا سہا رنج بہت کھایا ہائے
ایک ارمان رہا دل کو بہت سارا ہائے
یعنی تونے ہی نہ دیکھا یہ مرا چسلنا ہائے
اب تو بے تابی سے گھبراگیا دل میرا ہائے
ڈوب کر مر ہی رہوں برلب گنگ وجمن

کس کو دکھلاوں جو گزرے ہے تری لفت میں
کچھ مرے بس کی نہیں پھنس گئی اک قضا میں
نام بدنام ہوا فرق پڑا عزت میں
ایک دیوانی سی پھرتی ہوں تری فرقت میں
عرش سے فرش تلک حال ہے میرا روشن

لس سے میں جاکے کہوں کون ہی جا ہے تیری
کبھی بے تابی سے بیٹھوں کبھی ہوتی ہوں کھڑی
کبھی ہو محو تصور یہی کہتی ہوں آ جی
سیس کے بالوں سے میں راہ بہاروں تیری
جو قدم رنجہ کرو اور مجھے دو درشن

کبھی رو دیتی ہوں آنکھوں سے بہ شکل دریا
کبھی گاتی ہوں ترے نام کو لے لے کے پیا

میں بھی کہنے ہی سے آخر کے تئیں رہ نہ سکی

دل میں غصہ تو بہت آیا و لے رک گئی
زار زار آنکھوں سے رونے لگی اور کہنے لگی

ہے بعید ایسے خردمندوں سے یعنی یہ سخن

آپ تو جانتے ہیں پیت بلا ہوتی ہے
خوب معلوم ہے تمکو کہ یہ کیسا ہوتی ہے

رہے خاموش طبیعت یہ خفا ہوتی ہے
واہ جی یوں بھی لگی دل سے جدا ہوتی ہے

عشق میں کس کے تئیں بھاتی ہے سیر گلشن

عیش کب بھاتا ہے جب تک کہ نہو یار حضور
گل رخسار بغیر باغ سے کب ہووے سرور

اس سوا کون ہے بہتر کہ وہ میں دیکھوں ظہور
اپنے کیا بس میں ہے جو دل سے کروں رنج کو دور

اپنے قابو میں ہے جو دور کروں رنج و محن

بال خاص اس لئے ہیں مجھکو یہ منظور نظر
کہ بُہاریں کبھی راہ اسکی جو وہ آئے ادھر

یہ تمنا ہے یہ آنکھیں گریں اُن قدموں پر

کہ نہیں خلق کے دلبر سبھی زہد و ہوس کے چرن

دل کو مسرور رکھو اور رہو شاد اور خوش
شیریں باتیں کرو اور شکل بناؤ دل کش
کہ ہر ایک شخص کو آجائے تمہیں دیکھ کے غش
نہ کہ تم اوروں پہ اس طرح چڑھو وحشی و سرکش
جانے دو دور کرو دل سے یہ الفت کی لگن

آدمی رنج سہا کرتا ہے ان باتوں میں
جان کو کھوتا پھرا کرتا ہے ان باتوں میں
سب کی نظروں سے گرا کرتا ہے ان باتوں میں
نام بدنام ہوا کرتا ہے ان باتوں میں
خوب ہم دیکھ چکے ہیں کہ برا ہے یہ فن

خوب سن سن کے میں حیران رہی منہ کو تک
اور رہا بولی دم تلملی سے دیکھا بہ فلک
گفتگو حد سے زیادہ ہوئی اس اور بک بک
تب تو وہ حال ہوا جیسے جراحت پہ نمک
وعظ کے تیروں سے پہلو ہوا چھلنی تیر چبھن

سب کو روشن ہے بڑی ہوتی ہے یہ پیت لگی

کیوں اُٹھار کھا ہے اس جور و ستم کو دل میں
جانے دو راہ نہ دو رنج و الم کو دل میں
باغ کی سیر کرو اور ہو محو گلشن
محفل عیش بنا کر رہو آنکھوں کے حضور
باغ دنیا کی کرو سیر جو ہو دل کو سرور
کیسے کیسے ہیں گل اندامیوں کا دیکھو تو ظہور
یاد کو اس رخ تاباں کی کرو دل سے دور
کون سی بات کی کمتی ہے تمہیں صاحب من
تم بھی سردار ہو ذی ہوش ہو ٹک غور کرو
ایک ہی شخص پہ مرجاتے نہیں جاں کو کہو
سیکڑوں ماہ جبیناں ہیں ہزاروں خوش خو
تن سے بس گیروی کفنی کے تئیں دور کرو
پہنو پوشاک شہانہ رکھو خوش دل اور من
شانہ لو ہاتھ میں اور اپنے یہ سلجھاؤ بال
سرمہ دو آنکھوں میں اور دیکھو یہ قدرت کا خیال
دل کو بہلا کے بھلا دو یہ سبھی رنج و ملال
تم پہ اس طرح کا ہے نام خدا حسن و جمال

نامی و نامور اور خلق میں عزت والا
جس کے تابع ہیں ہر اک شاہ سے لے تا بہ گدا

ہے حقیقت میں جہاں مرضی پہ اسکی سارا
عقل کل نام کہا کرتے ہیں اس کا راجا

دیکھ کر مجھکو وہ کرنے لگا اس طرح سخن

واہ وا بھاگ مرے میں نے جو دیکھا تم کو
تم سے الفت ہے ہمیشہ سے ہمارے دل کو

میں تو یہ چاہتا ہی تھا کہ کہیں مجھ سے ملو
آؤ جی بیٹھو مرے گھر میں قدم رنجہ کرو

کر و روشن مرے کاشانے کو تک رکھ کے چرن

ہم تمہیں جانتے ہیں اور بزرگوں کو سب
سب بزرگ آپ کے رکھتے ہیں ہماری ہی طلب

ہم کو بھی لوگوں سے ہے ربط محبت کے سبب
ہم کو معلوم ہوا آپ کا سب حسب و نسب

عشق نے تمکو بنایا ہے بہ شکل جوگن

ہے عزیز آپ کی خاطر بڑی ہم کو دل میں
اس سے سمجھاتے ہیں اب مت رکھو غم کو دل میں

آہ کے ساتھ مری جان جلی جاتی ہے

اب اُٹھا سکتا نہیں بارِ مصیبت یہ بدن

یاد کر کرکے تجھے دیدہ تو رو دیتا ہے

جو مجھے دیکھتا ہے رو تا وہ رو دیتا ہے

دیکھ ہر ایک مری سمت کو رو دیتا ہے

جو مرے حال کو دیکھے ہے سو رو دیتا ہے

ہوش لوگوں کے اُڑے جاتے ہیں سن میرا سخن

سر کو کہسار سے ٹکراتی ہے بادِ صرصر

جانور دیکھیں ہیں حیرانی سے با دیدۂ تر

در و دیوار مرے حال پہ ہیں ششدر

سر کو دھنتا ہے مرے حال پہ ہر ایک شجر

میری بے چینی سے بے چین ہیں شیر اور ہرن

جبکہ تجھ بن یہ ہوا مرے اپر رنج و تعب

ہر کوئی کہنے لگا ہائے غضب ہائے غضب

اُڑتے اُڑتے مری خبروں کا فسانہ ہوا جب

اِک دل آباد ہے بستی وہیں جاتے ہیں سب

اس میں اک راجہ مہاراجہ کا ہے سنگاسن

کاشی میں بیٹھ رہی لیک نہ پایا تجھکو
گنگا اور جمنا کے تیرتھ پہ بھی مانگا تجھکو
کون سی جا تھی کہ جس جا پہ نہ ڈھونڈا تجھکو
پورب اور پچھم و اُترسے لگا تا بہ دکن

اب تو لاچار ہوئی اور بڑی بے چین ہوئی
ہجر کے درد و الم میں چلا جاتا ہے جی
"تا کہ اب ڈھونڈھنے سے کوئی بھی جا گھ نہ رہی
اب فقط ملک عدم مجھکو رہا ہے باقی
سو بھی کچھ دور نہیں اور نہیں راہ کٹھن

ہوگئی جان کی لیوا تری الفت بیری
مرگ کے کرتی ہے سامان محبت یہ سبھی
کوئی دن میں تو یہ تن بیچ نکل جائے گا جی
رحم کر مجھ پہ کہاں تک سہوں فرقت تیری
دیکھ اس جان پہ کیا کیا سہا تیرے کارن

روح ہونٹھوں تلک آجاتی ہے گبھراتی ہے
لیک امید ملاقات میں پھر آتی ہے
غم پہ پھٹتی مرے صبر کی اب چھاتی ہے

باپ اور ماں کا ترے واسطے چھوڑا دامن
نہ تو کچھ دیں کی خبر اور نہ دنیا سے ہے کام
سارے کاموں کے تئیں بھول گئی اے گل نام
دل گیا جان گئی اور گیا عیش و آرام
گھر گیا دیس گیا ہو گئی جگ میں بدنام
اک سہیلی ہے مری آہ بس اور سب دشمن

یاد میں بیٹھ گئی جس جگہ میں آسن مار
دل کی کھونٹی کو مروڑا تری جانب کو سدھار
نالہ موزوں کے بس کر کے سروں کو طیار
جگر و تن کی بنا تونبی بس اور آہ کے تار
بین کو غم میں بجاتی پھری بن بن بن بن

کون سی بات تھی جو واسطے تیرے نہ کری
جلے بھی باندھے بہت پوجا بھی درگا دیبی کی
دیس پردیس پھری جنگلوں میں لوگوں کے بڑی
پوچھا ایک ایک سے تجھ کو میں بصد حیرانی
لیک تیرے ہی کسی طرح نہ پائے درشن
جا کے متھرا میں رہی اور بڑا پوجا تجھ کو

آ ادھر دیکھ مری ٹوٹی کمر کے ٹکڑے
جیب کے بدلے میں کرتی ہوں جگر کے ٹکڑے
نہ تو بستی ہی خوش آتی ہے نہ کہسار نہ بن

میں نے کیا کیا نہ سہا آہ تری الفت میں
ایک دیوانی پڑی پھرتی ہوں بڑی دقت میں
ناگہاں آگئی اک مفت کی میں آفت میں
سیس کے بال کھسوٹوں ہوں کھڑی ذلت میں
خاک اڑا کے پڑی پھرتی ہوں بصد رنج و محن

ساری پت میری گئی اے مرے ساجن تجھ پر
مال و زر وار دیا اور تن و من تجھ پر
ایک حیران پڑی پھرتی ہوں برہن تجھ پر
چھوڑ کر ماتا پتا کو ہوئی جوگن تجھ پر
لیک تو ہی نہ ملا اے مرے جوگی ساجن

اپنے بیگانوں نے کر ڈالا ہے مجھ کو پامال
اور ادھر تیری جدائی میں ہوئی جاں وبال
خاک کا بھی نہیں وہ حال جو ہے میرا حال
اقربا کی بھی نظر سے گری اشکوں کی مثال

کھوئے پھرتی ہوں سب آرام کو ہر جائی میں
ڈھونڈھتی ہوں تجھے گل فام کو ہر جائی میں
گاتی پھرتی ہوں اسی کام کو ہر جائی میں
جلپتی پھرتی ہوں ترے نام کو ہر جائی میں
آٹھ آٹھ آنسوؤں سے روتی ہوں اور من نین

ناتواں ہوگئی اور جسم میں باقی نہیں دم
رکھو ٹک آکے کبھی اس دل مضطر پہ قدم
ہوگئیں خشک رگیں سیلیوں سے میں نہیں کم
گیروا ساری ہے اور جا سے بھبوت اے ہمدم
خاک اُڑ اُڑ کے پڑی تن کے اوپر سو من

یہی دل ہے کہ ہوا تھا نہ کبھی بھی غمناک
وہی دل ہے کہ ہوا تیغ جفا سے صد چاک
آگ لگ جائیو اس بیت میں جلیو یہ تپاک
سیس کے بال تھے سنبل سے جمی جس پہ خاک
خاک میں مل گیا تھا یہ جو چندر ماں سا بدن

پھوڑ کر پتھروں سے کر دئے سر کے ٹکڑے
اے تو ہے کہاں اے میرے قمر کے ٹکڑے

دیکھ ٹک آن کے یہ حال پریشاں میرا
کہ ترے ہجر میں کیا کیا نہ سہا رنج و محن

میرزا جیسی ہے کرے حق نہ کسی کی اوقات
جو کسی نے بھی نہ بیتی لگا ہے دہ وہ دیکھی آفات

ہائے افسوس صد افسوس ہائے حسرت ستم میہات
زار زار اب تو پڑا ہجر میں رونا دن رات
زندگی ہو گئی دو بھر مجھے اور جان کٹھن

خانماں و طرب و عیش و زر و مال و خوشی
اک تجھے یاد رکھا سب کے تئیں بھول گئی

ہائے جس وقت لگی آنکھ وہ کیسی تھی گھڑی
شہر بھی چھوڑ دیا دیس سے پردیس ہوئی
ہجر نے کر دیا آخر ترے مجھکو جوگن

سرخ آنکھیں ہوئیں الفت کے نشے سے رنگین
ہیں گر حلقہ بگوشی کے بھی مندرے دو تین

تو نمبر کر دست دعا کا بڑی پھرتی ہوں حزین
ہیر اپنا گیروا رکھے ہوئے کاندھے پہ بین
من کے منکوں کی بنا ہاتھ میں پہنی سمرن

ہائے اُس الفت ظالم کا بُرا ہے یہ چلن
چھوٹتی ہی نہیں لگ جاتی ہے جس وقت لگن
چار و ناچار اُٹھا لے ہی پڑے رنج و محن
در فراقِ رُخِ پُر نورِ تو اے غنچہ دہن
دیدہ باید کہ چگونہ شود احوالِ من

ہجر نے اب تو نہایت کیا بے دم مجھ کو
پھرتی ہوں شکل بگولے کے میں ویراں ہر سو
اے مرے ماہ جبیں اے مرے ہمدم گل رو
کون سے شہر میں ہے کون سی جا پر ہے تو
اے مرے ہمدم جاں اے مرے جان تن من

دلِ صد چاک مرا چاک گریباں میرا
مثل دریا کے رواں دیدۂ گریاں میرا
برق کی طرح تپاں یہ دل سوزاں میرا

ہوش گم کردہ پھرا کرتا ہوں اور بے سامان

باز آ ظلم سے اور جور سے توجہ کو مان باز

اب تو اس حال کو پہنچا ہوں ترے ہجر میں جان

اے گل باغ وفا دل کے چمن کے گلشن

کہیں کہتا ہے جو احوال مرا کوئی ذرا

سر کو دھنتا ہے ہر اک پیر و جواں اور لڑکا

گھر میں رہتا ہوں تو روتا ہے ہر اک خویش اپنا

گھر سے باہر جو نکلتا ہوں تو منہ دیکھ مرا

مرے احوال پہ بھی روتے ہیں جنگل میں ہرن

خاطر آشفتہ میں پھرتا ہوں حزیں و دلگیر

عشق میں اُس کے سبھی کھو چکا عزّ و توقیر

پھرتا ہوں گلیوں میں دیوانہ سا ہر روز صغیر

کیا کہوں اب تو گزرتی ہے جو کچھ مجھ پہ نظیر

دل من داند و من دانم و داند دل من
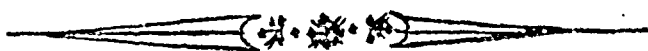
وہی استھل ہے جہاں مار کے بیٹھے آسن

خواہش زر نہ کریں اور نہ کسی سے مانگیں
تخت اور چتر کی بھی کچھ نہیں پرواہ ہے ہمیں
گوکل اور متھرا کے رہنے کی نہیں حرص کریں
جا پڑیں یاد میں اُس شوخ کی جس بستی میں
وہی گوکل ہے ہمیں اور وہی ہے بندرابن

جب سے جوگی ہوئے دی اُس کو متاعِ دل و جان
چھوڑ بیٹھے سبھی آرام کا جو تھا سامان
حاجتِ تکیہ ہے نے خواہش بستر نہ مکان
جا پڑے خاک پہ رکھ سر کے تلے ہاتھ جہاں
ہے وہی فرش وہی تخت وہی سنگھاسن

ہے خیال اُس گل رخسار کا ہر شام و پگاہ
باغ با غنچہ کی ہرگز ہے نہیں ہم کو چاہ
چاہ ہے چاہ ذقن کی نہیں درکار ہے جاہ
پھول پھلواری کی بھی جب سے نہیں کچھ پرواہ
جب سے گل کھا کے محبت میں جلایا ہے بدن
رہتا ہوں مضطر و مغموم میں ہر دم ہر آں

تو تو عاقل ہے بس اب عقل سے اپنی پہچان
خاک ہے یار کے کوچے کی بھبوت اب ہر آن
ہم نے بھی راکھ بنائی ہے جلا کر تن من
سرخ آنکھوں کا جو پوچھے ہے کہ باعث ہے کیا
شوق مے کا نہیں کچھ ذوق نہیں افیوں کا
قدح بنگ سے نے عشق کبھی ہمکو ہوا
ہے محبت کے دھتورے کا جو آنکھوں میں نشا
اس کی گرمی ہی سے رہتے ہیں سدا سرخ نین
کوئی مونس ہے نہ غم خوار نہ ہے سنگ نہ سات
رہتا ہوں رنج میں مشغول سدا دن اور رات
اب خدا جانے کہ کس طرح کٹے گی اوقات
اور استھل کے بنانے کی کہی تو نے جو بات
یہ بکھیڑا وہ کرے جسکے کنے ہو کچھ دھن
عشق جب سے کہ ہوا ہے ہمیں اس اچپل سے
جب سے بے تاب پھرا کرتے ہیں اور بے کل سے
ہم سے بے کل بھی نہیں بیٹھے ہیں اک جا کل سے
ہم فقیروں کو بھلا کام ہے کیا استھل سے

دیکھ نیرنگی زمانے کی ہوئے گل دل رنگل
اور مل تن کو بھبوت اپنے گئے خاک میں مل
کپڑے رنگنے کو تو آساں نہ جان او غافل
رنگ وہ رنگتے ہیں جس رنگ کا رنگنا مشکل
روپ وہ بھرتے ہیں جس روپ کا بھرنا ہے کٹھن

چھوڑا جنت کو جو آدم نے اسی کی خاطر
اور ہر ایک کے کی دم نے اسی کی خاطر
جی میں کی اپنے خوشی غم نے اسی کی خاطر
جوگ بیراگ لیا ہم نے اسی کی خاطر
سب کے تئیں چھوڑا اسی کی ہے محبت کی لگن

رنگے کپڑوں سے نہ کر ہم پہ تو جوگی کا گماں
ہم نے کیا جانے کیا کس لئے ایسا ساماں
گر تو عاقل ہے تو پھر دل ہی میں اپنے پہچان
ہم میں اور جوگی کی صورت میں بڑا فرق ہے جان
کہاں جوگی کی ادا اور کہاں عاشق کا چلن

آتش غم سے جلا جب سے جلایا دل و جان
تب یہ اکسیر ملی ہم کو تو شک اس میں نہ جان

جب سے اُس شوخ کے پھندے میں پھنسے ٹوٹ گئے
جتنے تھے مذہب و ملت کے جہاں میں بندھن

عشق میں چھوڑ کے ہم دنیا و دیں بیٹھے ہیں
خاطر آشفتہ و دلگیر و حزیں بیٹھے ہیں
چھوڑ سب عیش جہاں گوشہ گزیں بیٹھے ہیں
اسکے ہم در پہ منڈا سر کے تئیں بیٹھے ہیں
رات دن بیٹھے ہیں در پر ہو کے اسی گرد چرن

خنجر عشق سے بس اپنا کلیجا ہے شق
ہے تو ظاہر ہے نشاں منہ کا بھی جو رنگ ہے فق
خوں میں آلودہ ہیں زخمی ہیں کہ جوں رنگ شفق
نام کو پوچھے تو ہے نام ہمارا عاشق
سب سے آزاد ہوئے یار کا لیکر دامن

حال بے باکی کا کیا اپنی بھلا تجھ سے کہیں
گر رہیں بھوکے تو ہرگز بھی کبھی غم نہ کریں
اور کھانے کو ملے تو بھی نہ کچھ شاد رہیں
گر رہیں جیتے تو جینے کی نہیں فکر ہمیں
اور مر جائیں تو ہرگز نہیں پروائے کفن

جوگ کی پوچھے تو بس عشق میں یہ جوگ لیا
اور اس کی ہی جدائی میں بھرے ہیں ہرجا
اور وطن پوچھے ہمارا تو یہ سن رکھ بابا
یا گلی دوست کی یا یار کے گھر کا آنگن
مثل صرصر اسی کوچے میں پھرا کرتے ہیں
دیکھ دروازے کو بس شاد ہوا کرتے ہیں
خون دل جائے مئے ناب پیا کرتے ہیں
اس کے کوچے میں سدا مست رہا کرتے ہیں
وہی بستی وہی نگری وہی جنگل وہی بن
گاتے پھرتے ہیں سدا بین لئے کاندھے پہ گیت
جو اتیتوں کی ہے مدت سے وہی نپنی ریت
محو پریتم کے ہیں جب سے کہ لگی اس کی پریت
پنتھ کی پوچھے تو جوگی نہ جنم کے نہ اتیت
عشق کے میل میں ہم پریم کا رکھتے ہیں برن
آبلے دل میں جو الفت کے تھے سو پھوٹ گئے
جتنا تھا سال مراتب اسے لے لوٹ گئے
اقربا دوست تھے جتنے وہ سبھی چھوٹ گئے

شہر میں باغ میں یا بر لب دریائے جمن
یا کہیں اور بتاؤ کہ جہاں آپ رہیں
یا تو جنگل میں اگر دل لگے یہ آپ کہیں
یا کہ استھل کے بنا دینے کی تجویز کریں
یا کہ متھرا جو پسند آوے تو واں جا کے بسیں
یا کہ در بن میں ہو یا مات مہا بندر ابن
اور اگر یوں ہی پھروگے تو یہ ہے مشکل سخت
استھل اک ہم جو بنا دیں تو زہے اپنے بخت
اس میں اچھا سا اچھا دیویں تمہارے لئے تخت
خاصے پھولوں کے لگا دیویں اس استھل میں درخت
جس سے آنکھوں کو طراوت ہے اور دل ہو مگن
اب تو جوگی جی کہا مان لو یہ تم میرا
ایک جا بیٹھ رہو اور کرو ہم پہ دیا
مت پھرو یوں جنگل و کوہ اور دشت و صحرا
جب تو سن سن کے یہ ہم نے کہا اس سے بابا
تجھ کو کیا کام فقیروں سے یہ کرنا آن بن
کیا غرض تجھ کو جو پوچھے ہے تو احوال مرا

تم تو کامل سے نظر آتے ہو اپنے لکھے
ہم نے جوگی تو بہت یوں ہیں ہزاروں دیکھے
پر تمھارا تو زمانہ سے نرالا ہے چلن

ہم نے دنیا میں اجی سیکڑوں دیکھے جوگی
دیکھے ہر رنگ کے ہر ایک برن کے جوگی
پر غرض تم سے نہیں دیکھے ہیں ہم نے جوگی
تم تو آتے ہو نظر ہم کو نئے سے جوگی
سچ کہو جوگ لیا تم نے یہ کس کے کارن

کیا ہوا جوگی جی تم کو بھلا ہم سے تو کہو
کیوں خجل خوار پڑے پھرتے ہو منہ سے بولو
کس لئے وحشی سے پھرتے ہو بتاؤ ہم کو
کس کی ہے یاد تمہیں کس کے لئے پھرتے ہو
اب کہیں بیٹھو گے یا یوں ہی پھروگے بن بن

کس لئے گھر سے تم آئے ہو بھلا اپنے نکل
پھرتے مانند صبا کیوں ہو بدشت و جنگل
تم سے اک بات کہوں اس پہ اگر کیجے عمل
گر کرو حکم تو ہنوا دیں تمھارا استھل

ہمکو جوگی جی بتا دیجئے یہ حال اپنا
تم جو بیراگی بنے اس میں نفع کیا ہے بھلا
اور مرشد سے تمہارے ہے تمہیں کیا پہنچا
نام کیا جوگ میں ہے تم کو گرو نے بخشا
دھیان کیا رکھتے ہو کس گیان کا رکھتے ہو چلن

دُرِ شہوار جلا کر جو بنائی ہے بھبوت
اور کہوں تم کو بتا دو یہ خوش آئی ہے بھبوت
عشق میں کس کے یہ اب تن پہ ملی ہے بھبوت
کس لئے منہ کے اپر تم نے لگائی ہے بھبوت
کس کی الفت میں یہ بیراگ کا پہنا ابرن

کس لئے جوگ لیا اور رنگا کپڑوں کو
کس پہ عاشق ہو دیا رنج یہ کس نے تم کو
کیونکر اوقات بسر ہوتی ہے یہ ہم سے کہو
کیا الم کھاتے ہو اور کس کی طلب رکھتے ہو
دھونی جل پان بھی یا یونہی کروگے لنگھن

نام پیغمبروں کے کفنی پہ لکھے سارے
اور گریبان میں ہیں نام خدا کے لکھے

پیرہن گیروا اور تن کے اُوپر چھائی بھبوت
سر سے لے پاؤں تلک خاک ملی ہو بسن
گہ در کعبہ پہ پیشانی کو اپنی گھسنا
گاہ مسجد میں میاں مانگنا جا جا کے دعا
انکساری سے کبھی دیر میں ہر دم جانا
دم بہ دم آہ کی پونگی سے بجانا یہ صدا
دیکھیے کون سے دن ہر ہمیں دینگے درشن
دیکھا میرے تئیں جو تن کے اُپر گل کھائے
اور کپڑے بھی رنگے گیروے تن پہ پائے
دیکھ یہ حال تعجب سے بشر گھبرائے
کوئی کہتا ہے کہ جوگی جی کدھر کو آئے
سچ کہو کون سی نگری میں تمھارا ہے وطن
یاد کرتے ہو اُسے نام اُسی کا لے لے
اور زیبا ہیں بہت آپ کے تن پر سیلے
واہ جوگی بھی بنے خوب ہو تم اے البیلے
کون سے پنتھ میں ہو کون گرو کے چیلے
کون سے روپ میں ہو کون سا رکھتے ہو بَرن

جان بے چینی سے تن میں مرے گھبراتی ہے
آہ کرتا ہوں تو بجلی سی نکل آتی ہے
جب میں روتا ہوں تو آنکھوں سے برس جاتی ہے
کبھی ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں کی بہرن

دشت اور کوہ میں وحشی سا پڑا پھرتا ہوں
برق کی طرح سے بے تاب سدا پھرتا ہوں
میں غرض تجھ سے صنم جب سے جدا پھرتا ہوں
رات دن ہجر میں جوگی سا بنا پھرتا ہوں
بے قراری سے ترے نام کی جپتا سمرن

جور اور ظلم مرے دل نے ہزاروں ہی سہے
شکوہ جور بھلا تیرا کہاں تک نہ کرے

اب تو یہ حال ہوا ہجر میں اے یار مرے
دو ششیں پر بار الم کانوں میں غم کے مندرے
اشکوں کے تار گلے میں پڑے سیلی کے گن

عشق میں جوگی ہوئے جب سے ہمیں بھائی بھبوت
بیٹھے در پر ترے اور گرد سے ملی بھبوت
دیکھ تک آن کے کس روپ پہ ہے لگالی بھبوت

اشتیاقے کہ بہ دیدار تو دارد دل من

اب جو مل جائے کہیں وہ تو یہ ہم اُس سے کہیں
کب تلک درد جدائی کو بھلا تیرے سہیں
اتنا بھی بس نہیں اے یار کہ ہم مر ہی رہیں
دور جس دن سے ہوا تجھ چمن حسن سے میں
نہ مجھے باغ خوش آتا ہے نہ گلشن نہ چمن

بید مجنوں ہیں کہ ہیں تاک پریشاں خاطر
یا ہیں خاکستر خاشاک پریشاں خاطر
ہم غرض ایسے ہیں غمناک پریشاں خاطر
چشم نمناک جگر چاک پریشاں خاطر
چاک پر چاک گریباں سے لگا دامن

جور اور ظلم سے اس کے نہ کبھی گھبرانا
نہ کبھی شکوۂ بیداد زباں پر لانا
کام ہرگز نہ کسی سے نہیں آنا جانا
کوئی کچھ پوچھے تو منہ دیکھ کے چپ رہ جانا
نہ تکلم نہ اشارت نہ حکایت نہ سخن

یاد اُس شوخ کی کیا کیا ہی ستم لاتی ہے

کہیں ساز طرب کے بجتے ہیں دل شاداں منہ پر لالی ہے
سو کثرت عیش مسرت کی خوش وقتی اور خوشحالی ہے
کچھ بولی ٹھولی پیار بھری کچھ گالی ہے کچھ بالی ہے
ان باہر جوں کا ان جھملوں کا یہ تار لگایا ہولی نے

ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا آتے ہیں
کر باتیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں
کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کاہنوں کے گاتے ہیں
کچھ اور طرح کے سوانگ بنے کچھ ناچتے اور کچھ گاتے ہیں
ہر آن نظیرؔ اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

صفحۂ رخ پہ ترے خوبیٔ خط کی ہے پھبن
ہے سویدا ترے عاشق کا ترا خال ذقن
رشکِ گل دستِ حنائی کو کہے دیکھ چمن
ہو رقم کس قلم شوق سے اے غنچہ دہن

یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

پوشاکیں چھڑکی رنگوں کی اور بہر دم رنگ نشانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں پچکاری کی رخشانی ہے
کہیں ہوتی ہے دھینگا مشتی کہیں ٹھیری کھینچا تانی ہے
کہیں لٹیاں جھمکیں رنگ بھری کہیں جوتا کیچڑ پانی ہے

ہر چار طرف خوشحالی کا یہ جوش بڑایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ آگ اور رنگ بھبکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودیں ہیں کچھ اُچھلیں ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں

یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

محبوب پری رو یاروں کی ہر جانب لوکا جھونکی ہے
کچھ آن رنگیلی چلتی ہے کچھ بات اُدھر سے روکی ہے
کچھ سینیں ترچھی سحر بھری کچھ گھات لگاوٹ ٹوکی ہے
کچھ شور اہا ہا ہا کا کچھ دھوم اُھو ھو ھو کی ہے

یہ عیش یہ حظ یہ کام یہ ڈھب ہر آن جتایا ہولی نے

معجونوں سے رنگ لال ہوئے کہیں چلتی مے کی پیالی ہے

ہر خاطر کو خرسند کیا ہر دل کو لبھایا ہولی نے
دف رنگیں نقش سنہری کا جس وقت بجایا ہولی نے
بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حسن بتاؤں ہولی کا
سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا دکھلانا سج دھج شوخی کا
ہر گالی مصری قند بھری ہر ایک قدم اٹھکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھڑکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑپیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈمڈمی اور منہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جاگہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے

کیا ہی گھڑی تھی عیش کی اس میں بلا یہ آپڑی
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

باغ تھا یا کہ خلد وہ یا کہ بہشت یا ارم
یار تھا یا کہ حور تھا یا کہ پری وہ یا صنم
چاندنی تھی وہ چاندنی چاندی کا رنگ جس سے کم
پیتے تھے مے گھڑی گھڑی لیتے تھے بوسے دمبدم
دونوں نشوں میں مست ہو سوئے پلنگ پہ جب کہ ہم
عین مزہ تھا وصل کا اس میں نظیر ہے ستم
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

(۳۵) ہولی

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا جب حسن دکھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لطف جتایا ہولی نے

ہونٹوں سے ہونٹ لگ رہے سینہ سے سینہ مل رہا
اتنے میں آہ یک بیک کیا ہی غضب یہ ہو گیا
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

واہ ہوئیں تھیں رات کیا چاندنی کی اجالیاں
جھوم رہی تھیں باغ میں سنبل و گل کی ڈالیاں
شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں
خوش ہو گلے لپٹ لپٹ دیتا تھا میٹھی گالیاں

ہم بھی نشہ میں مست تھے ساقی کی پی کے پیالیاں
جل کے فلک نے اس میں ہائے آفتیں لا یہ ڈالیاں
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی چمن میں شب کو واہ برسے تھی نور کی جھڑی
تار نشوں کے تھے بندھے لوٹے تھی چاندنی پڑی
غنچہ دہن تھا بے خبر پی تھی جو مے کڑی کڑی
دیتا تھا بوسہ پیار کے سینہ سے مل گھڑی گھڑی
چشم سے چشم لب سے لب چھاتی سے چھاتی جب لڑی

وصل کے مقیدار تھے عیش کے کاروبار تھے
سینہ میں آسمان کے تیر حسد کے پار تھے
ایک پلک میں ناگہاں سب وہ مزے شرار تھے
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کا جی میں رہ گئی

چاندنی واہ چاندنی کرتی تھی کیا جھلک جھلک
چہک رہیں تھیں بلبلیں باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک
یار بغل میں غنچہ لب بوسوں کی سو لپک جھپک
عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
ایسے مزہ میں عیش میں آہ کہیں سے ہٹ دہک
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

ایک طرف تو نور میں ماہ رہا تھا جگمگا
ایک طرف وہ رشک مہ میری بغل میں تھا پڑا
دونوں دلوں میں لذتیں دونوں جیوں میں عیش تھا
مے کی گلابی ہاتھ میں آنکھوں میں چھا رہا نشا

آیا تھا یار گلبدن پہن کے بادلہ زری
چمکے تھی تار تار میں مہ کی جھلک ذری ذری

بوس و کنار جام مے عیش و طرب تھی ہنسی خوشی
اس میں کہیں سے یک بیک مرغ سحر نے بانگ دی
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی مزوں سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں
چھوٹے تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
آگے چنی تھی صف بصف مے کی کئی گلابیاں
ہم کو نشہ کی مستیاں یار کو نیم خوابیاں
سینوں میں اضطرابیاں آنکھوں میں بے حجابیاں
اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

شب کو دلوں میں واہ واہ زور مزوں کے تار تھے
ہم سے دوچار یار تھا یار سے ہم دوچار تھے
دونوں دلوں میں پیار تھا دونوں گلوں میں ہار تھے

مال دکاں حویلی باغ و چمن بھی دے گا.

جینا رہے گا جب تک کھانے کو اُن بھی دے گا
مرجاوے گا تو وہ ہی تجھ کو کفن بھی دے گا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مر رہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جتنے گڑے دبے ہیں سب کھالے اور کھلالے
رکھ و مہن اسی کی دل میں اب کھالے اور کھلالے

اپنا سمجھ اسی کو جب کھالے اور کھلالے
اب تو نظیر تو بھی سب کھالے اور کھلالے

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مر رہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

صحن چمن میں واہ وا زور رنجھی تھی چاندنی
چاند ہوریں لیٹا تھا اور کھلی تھی چاندنی

کوٹھے مکاں حویلی سب کھود کر کھلا دے
کڑیاں تلک جلا دے اینٹیں تلک اڑا دے

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو جو بخیل کھن کھن زر جوڑ کر مرے گا
یا کھائے گا جنوائی یا خالصے لگے گا

تیرا وہی ہے جو کچھ راہ خدا میں دے گا
کھاتا کھلاتا ہنستا تو بھی سدا رہے گا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

گر آپڑے گا تجھ پر کچھ حادثہ خلل کا
مالک پھر اور کوئی ٹھہرے گا تیرے ڈل کا

آگے سے دے روپے دلاسے بورہ تو اس سے ہلکا
کر سوچ اپنے دل میں کچھ آج کا نہ کل کا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جس نے یہ زر دیا ہے پھر وہ ہی دھن بھی دے گا

مرشد کا ہے یہ نکتہ رکھ یاد اس سخن کو
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جا بیٹھ میکدوں میں سب درد غم سے ہٹ کر
جھمکا گلابی مے کی پیالے الٹ پلٹ کر
محبوب دلبروں سے خوش ہو لپیٹ لپٹ کر
پی دودھ اور بتاشے میوہ مٹھائی چٹ کر
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملے سو کھا جا
تاشس اور بادلے میں اک بار جگمگا جا
یا بخیل مت بن داتا سخی کہا جا
اک دم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

صندوق میں جو زر ہے اسکو بھی لے گنوا دے
مے کے بہا کے نالے طبلوں کو کھڑکھڑا دے

ادا سے ہاتھ اٹھنے میں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں
کہاں نازک یہ پہونچے، اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں

جو کچھ خوبی میں ہے اس شوخ گل رخسار کی راکھی

پھریں ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حسن کے تارے
تو ان کی راکھیوں کو دیکھ اے جاں چاؤ کے مارے
پہن زنار اور قشقہ لگا ماتھے اوپر بارے
نظیرؔ آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے

بندھا لو اس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

زر دار ہے تو ہرگز مت مار اپنے من کو
تن زیب تن سکھوں سے ترسا نہ اپنے تن کو
جو زر چلن چلیں ہیں چل چل تو بھی اس چا

سلونوں میں عجب رنگین ہے ہر و لدار کی راکھی
نہ پہنچے ایک گل، گویا جس گلزار کی راکھی

عیاں ہے اب تو راکھی بھی چمن بھی گل بھی شبنم بھی
جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی

تماشہ ہے اہا ہا غنیمت ہے یہ عالم بھی
اُٹھانا ہاتھ پیارے واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی

تمھاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو
ہر اک گلرو پھرے ہے راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو

ہوس جو دل میں گذرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو
یہی آتا ہے جی میں بن کے باہمن آج تو یارو

میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ہوئی ہے زیب و زینت اور خوباں کو تو راکھی سے
ولیکن تم سے اے جان اور کچھ راکھی کے گل پھولے

دوانی بلبلیں ہوں دیکھ گل چننے لگیں تنکے
تمھارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے

گلستاں کی چمن کی باغ کی گلزار کی راکھی

گہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہ اس نے پچھاڑا — اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچہ

یہ داؤ میں پیچ لڑیں جو کشتی میں ہوتے ہیں — پیدا ہیں یہ روپے پیسے کہ آندھی سی گویا مینہ
سب نقد ہوئے آ کے سوا لاکھ روپے ڈھیر — جو کہتا تھا ہر ایک سے اس طرح سے منہ پھیر
یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کھڑا کوئی جو کر آہ اہا ہا — اس سے کہ تم ہی استاد ہو واللہ اہا ہا
یہ سحر کیا تم نے تو ناگاہ اہا ہا — کیا کہیے غرض آخر کو اس سے واہ اہا ہا
ایسا تو نہ دیکھا نہ سنا ریچھ کا بچہ

جس دن سے نظیر اپنے تو دلشاد یہی ہیں — جاتے ہیں جدھر کو اُدھر ارشاد یہی ہیں
سب کہتے ہیں وہ صاحب ایجاد یہی ہیں — کیا دیکھتے ہو تم کھڑے استاد یہی ہیں
کل چوک میں تھا جن کا لڑا ریچھ کا بچہ

(۳۲) راکھی

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی
سنہری سبز ریشم زرد اور گلنار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب ہر سردار کی راکھی

جب ہم نے کیا لا کے کھڑا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر	وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم ان سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر	ہاں چھوڑ دیا بابا انہیں جنگلے کے اندر

جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچہ

مدت میں اب اس بچہ کو ہم نے ہے سدھایا	لڑنے کے سوا ناچ بھی اسکو ہے سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تئیں گت پہ بجایا	اس ڈھب سے اسے چوک کے جمگٹ میں نچایا

جو سب کی نگاہوں میں کھپا ریچھ کا بچہ

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ	پھر کہروا ناچا تو ہر اک بولی زباں واہ
ہر چار طرف سنئے کہیں پیر و جواں واہ	سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں واہ

کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچہ

اس ریچھ کے بچہ میں تھا اس ناچ کا ایجاد	کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تئیں یاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا خدا تم کو رکھے شاد	اور کوئی یہ کہتا تھا ارے واہ رے اُستاد

تو بھی جیے اور تیرا سدا ریچھ کا بچہ

جب ہم نے اٹھما ٹھہ کر ڈھول کو جو بلایا	خم ٹھونک پہلواں کی طرح سامنے آیا
لپٹا تو یہ کشتی کا ہنر آن دکھایا	جو چھوٹے بڑے جتنے تھے ان سب کو رجھایا

ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچہ

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا	للکارتے ہی اس نے ہمیں آن پچھاڑا

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ — لے آئے وہیں ہم بھی اٹھا ریچھ کا بچہ
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ — جس وقت بڑا ریچھ ہوا ریچھ کا بچہ
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچہ

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا — لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا — بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچہ

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر — ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُر اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر — وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچہ

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جن پہ کرن پھول — مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اوپر جھول
اور اسکے سوا کتنے بنائے تھے جو گل پھول — یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچہ

اک طرف کو تھیں سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں — اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیق اور اونٹوں کی ڈکاریں — غل شور مزے بھیڑ ٹھٹھ انبوہ بہاریں

پالا پڑا جو مجھکو اس آبِ حیات سے جاں آگئی بدن میں مرے اُسکی بات سے
آخر کو لے چڑھی مجھے کوٹھے پہ گھات سے دو چار جام مجھکو پلا اپنے ہات سے
سونا ز سے پلنگ پہ مرے پاس آپڑی

آنے سے اُسکے دل کا مرے کُھل گیا چمن عیش و طرب کے ابر کی پڑنے لگی جھرن
نازک کمر وہ صاف شکم اور وہ نرم تن گل سا ملا جو مجھکو مینا گدگدا بدن
رگ رگ میں میری چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی

لے کر بغل میں اسکو لگایا جو میں گلے سو عشرتوں کے دل پہ مرے کُھل گئے درے
حاضر ہوئے جب آن کے سب عیش اور مزے سینہ سے سینہ مل گیا اور لب سے لب ملے
لٹنے لگی بہار مزوں کی دھڑی دھڑی

ایدھر تو جوش عشق ادھر حسن اور جنوں ناز و ادا کی ہونے لگی آکے دھوپ چھوں
ان عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں چاہا میں اس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں
اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کُھل پڑی

یہ حادثہ جو مجھ پہ پڑا آکے یک بیک آنکھوں سے میری اس گھڑی آنسو پڑے ٹپک
نیند اڑ گئی قرار گیا جل گئی پلک جاگا کیا نظیر میں پھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کاٹی گھڑی گھڑی

چاہا کہ دیکھوں کوٹھے کے اوپر نظر اٹھا　　اتنے میں اک طرف سے جو پردہ سا اٹھ گیا

بجلی سی کچھ چمک گئی آنکھوں میں اس گھڑی

آ کر کھڑی ہوئی تھی جو واں ناگہاں وہ شوخ　　لیتی تھی ہر نگاہ میں عاشق کی جاں وہ شوخ

کچھ چلبلی نگاہ تھی کچھ انکھڑیاں وہ شوخ　　کرتی تھی سیر چاروں طرف کی جو واں وہ شوخ

اتنے میں چھوٹی اسکی نظر مجھ پہ آ پڑی

اس کی نگہ کے آنے کا میں کیا کروں بیان　　بجلی تھی یا کہ تیر تھی گولی تھی یا سناں

میری طرف کو دوڑ کے آتی تھی ناگہاں　　میری نظر بھی دوڑ کے اسکی نظر سے واں

ایسی لڑی کہ خوب لڑی خوب ہی لڑی

بارے نظر کے لڑتے ہی کچھ کم ہوا حجاب　　الفت کی آ کے دونوں طرف سے کھنچی طناب

اتنے میں دیکھ دیکھ کے وہ رشک ماہتاب　　اکبار کھلکھلا کے ہنسی اور بشتاب

کافر وہ میرے پاس ہی آ کر ہوئی کھڑی

کہنے لگی کہ تو نے بلایا ہے کیوں مجھے　　دے خواب کو دعا کہ نہ پاتا تو یوں مجھے

چاہت میں اپنی ڈوبا ہوا دیکھا جوں مجھے　　ہنس کر لپٹ گلے سے لگی کہنے یوں مجھے

آ اس محل میں چل کے کریں عیش دو گھڑی

اس گلبدن سے جبکہ ملی آ کے مجھکو داد　　مارے خوشی کے کچھ نہ رہی تن بدن کی یاد

کیونکر بھلا نہ عیش و طرب دل کو ہو زیاد　　میری تو اس پری سے یہی عین تھی مراد

سنتے ہی دل کی کھل گئی ہر ایک پنکھڑی

نقشہ وہ جس کے پاؤں پہ لوٹے پری پڑی

خونریز ابرو جاں کی قاتل ہر اک نگاہ   مژگاں وہ برچھیوں کو لئے تل ہی پناہ
مہندی سے انگلیوں نے کئے خون بے گناہ   آنکھوں میں کھنچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ

پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے بڑ بڑی

زلفیں وہ مشک ناب سی چہرہ وہ چاند سا   جگنو رہا گلے میں ستارہ سا جگمگا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا   جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا

گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

رکھے تھی اس گھڑی تو یہ عالم وہ مہ جبین   شاید کہ اس طرح کی نہ ہوگی پری کہیں
حسرت سے آنکر مری آنکھوں نے واں جو ہیں   دیکھی جو اس بہار کی کافر وہ نازنیں

دل لوٹ پوٹ ہو گیا جاں غش میں جا پڑی

کیا کیا کہوں میں شوخ کے عالم بناؤ کا   تصویر بن رہی تھی نگاہ سر تا بہ پا
اس دم بندھی تھی اسکی غضب آن کر ہوا   کافر کھڑی ہوئی تھی عجب ڈھب سے بن بنا

اک ہاتھ میں لے آئینہ اک ہاتھ میں تبھڑی

دیکھی جو میں نے واں یہ طلسمات کی ہوا   عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا
اسکی چمک دمک کی بہاریں کہوں میں کیا   چمکا جو وہ مکاں مری آنکھوں میں ڈر سما

حیرت سے عقل آن کے چکر میں جا پڑی

ایسا مکاں تو میں نے نہ دیکھا تھا نے سنا   دیوانہ ہو میں چاروں طرف دیکھنے لگا

(۳۰) خواب کا طلسم

یارو ذرا سنو یہ عجب سیر پڑی
صحن چمن میں ابر کی آ کر لگی جھڑی

پی کر شراب عیش کی ہر دم کردی تری
کل بے خبر ہو رات کو سویا میں جس گھڑی

اُس خواب میں مجھے اک عمارت نظر پڑی

آئی نظر جو مجھکو وہ نادر محل سرا
دل میں پری کے باغ کا مجھکو یقیں ہوا

دیکھوں تو اس کا ہے در دولت سرا کھلا
جب اس مکان کے پاس میں ڈرتا ہوا گیا

آیا یہ دل میں دیکھیے چل کر کوئی گھڑی

پہنچا تو میں نہیں میں اُس صحن زرفشان میں
جھمکے مکان جو اس کے مری آن آن میں

کیا دیکھتا ہوں جا کے میں ہر اک آن میں
عالم سنہرے پردوں میں اور سائبان میں

سونے کی کھان ہے کہ یہی بھرتی ہے تری

گلشن کہیں چمن کہیں شیشہ سراجی عام
فرش طلا بچھا کہیں بکھیر خزینت کا کام

تھی نقرئی زمیں تو سنہرے تمام بام
طاق و رواق اسکے چمکتے تھے یوں مدام

گویا کہ اینٹ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

دیکھی پھر اس میں ایک ستم ایجاد مہ لقا
اوپر نظر گئی جو مری سر تا بپا

صورت وہ قمر چاند کا ٹکڑا سا بے بہا
اور حسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا

دم بند کر کے اپنا وہیں گر پڑا ہرن
گیدڑ نے اس کو دیکھ کے اک جا کے جھاڑی لی
صیاد اس ہرن کو پڑا دیکھ اس گھڑی
افسوس کر کے دام کی رسی وہ کھول دی
کوا پکارا بھاگ ارے وقت ہے یہی
سنتے ہی واں سے چوکڑی بھر کر اٹھا ہرن
صیاد نے جو دیکھا ہرن اٹھ چلا چپاک
جلدی سے دوڑا پیچھے ہرن کے وہ سینہ چاک
سونٹے کو پھینک مارا جو پھرتی سے اس نے تاک
بھاگا ہرن لگا وہیں گیدڑ کے آ کے ناک
سر اس کا پھوٹا اور وہ سلامت گیا ہرن
گیدڑ نے اس ہرن کا جو چیتا تھا واں برا
پائی اسی نے اپنی بدی کی وہیں سزا
تھا یہ تو نثر میں نے اسے نظم میں کیا
پہونچا نظیر جب وہ خوشی ہو کے اپنی جا
کوّے کے ساتھ پھر وہ بہت خوش رہا ہرن

لے پہنچا جب ہرن کے تئیں کھیت پر شغال
جاتے ہی واں ہرن نے دیا منہ کو اس میں ڈال
منہ ڈالتے ہی جال میں واں پھنس گیا ہرن
واں پھر پھرا تا آ گیا کوا بھی ناگہاں
گیدڑ کو دے کے گالی ہرن سے کہا کہ ہاں
تڑپے مت اس میں ورنہ تو ہووے گا ناتواں
کوے کی بات سنتے ہی ہمت کو باندھ واں
جیسے کہ گر پڑا تھا وہیں پھر اٹھا ہرن
گیدڑ لگا جب آنے ہرن کی طرف جھپٹ
کوا پکارا مار تو سینگ اک جو جاوے ہٹ
یا اک کھری تو ایسی لگا پاؤں کی لپیٹ
جاوے جو اس کے لگتے ہی گیدڑ کا پیٹ پھٹ
سنتے ہی یہ تو سینگ ہلانے لگا ہرن
گیدڑ نے خوب کوے کو دیں جل کے گالیاں
صیاد واں ہوا تھا کسی کام کو رواں
اس میں شکاری آ کے ہوا دور سے عیاں
کوا پکارا لیٹ جا دم بند کر کے یاں

اک گیدڑ اس ہرن کے کنے آ کے نابکار
بولا ہزار جان سے میں تم پہ ہوں نثار
مجھکو بھی اپنا جان غلام اور دوستدار
اور دل میں یہ کہ کیجیئے کس طور سے شکار

اس کے دغا و مکر سے واقف نہ تھا ہرن

گیدڑ یہ کہہ کے مکر سے جس دم گیا اُدھر
کوّا ہرن سے کہنے لگا کر کے شور و شر
یہ سخت مکر باز ہے کر اس سے تو حذر
اک دن دغا سے تجھکو یہ پکڑے گا فتنہ گر

سن کر یہ بات کوّے کی چپ ہو رہا ہرن

دن دوسرے ہرن کنے گیدڑ پھر آگیا
کوّے کو سوتا دیکھ یہ بولا وہ پُر دغا
میں آج دیکھ آیا ہوں اک کھیت کیا ہرا
تم کھاؤ اُس کو چل کے تو ہو شاد دل مرا

سنتے ہی اس کے ساتھ اچھلتا چلا ہرن

جس کھیت پر یہ لے کے گیا اس کو بد سگال
واں پہلے دیکھ آیا تھا وہ اک ہرن کا جال

وہ جو کورا سفید جھجر ہے　　جس کی جاگیر ملک جھجر ہے
بیل بوٹے سے اس جھمک پر ہے　　تاش کمخواب یا مشجر ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے　　موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے　　دوستو یہ بھی بات پانی ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں　　اور جو پیروں سے اپنے ڈرتے ہیں
جب کہ لا پھول پان دھرتے ہیں　　وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جب کہ انکو گڑھتے ہیں　　بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوروں پر پھول ہار چڑھتے ہیں　　حور و غلماں درود پڑھتے ہیں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوروں پر جو نظیرؔ جوبن ہے　　جو جرے میں کہاں وہ کھن کھن ہے

واہ کیا بات کورے برتن کی

یہ جو گولی کی بولیاں باندہیں　　　ہم نے پانی کی گولیاں باندہیں
سوندھی سوندھی ٹھمٹولیاں باندہیں　　　دل نے پھولوں کی جھولیاں باندہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا　　　اس کا جوبن کچھ اور ہی مٹکا
لے گیا جان پاؤں کا کھٹکا　　　دل گھڑے کی طرح سے دے پٹکا

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھلیاں یہ دیکھ کر لوٹا　　　دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا　　　جس نے دیکھا اسی کا دل لوٹا

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں　　　کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رستے ہیں آب کے نم میں　　　جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پراک قہر ہے اوس

(۲۸) کورا برتن

کورے برتن ہیں کیاری گلشن کی　　جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی
بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی　　کیا وہ پیاری صدا ہے سن سن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پانی کی آپ اب بڑی ہے ذات　　قطرہ قطرہ ہے جس کا آبِ حیات
کورے برتن میں جب کہ آیا پات　　پھر تو آبِ حیات بھی ہے مات
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی کوری گولی ہے　　وہی آنہ کے مول گولی ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے　　کیا کہوں گولی گولی گولی ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی

ایدھر تو ہوا بند اودھر پسّو و مچھر   پانی کوئی پیوے تو اودھن ہے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس

سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

جس وقت ہوا بند ہوا اور آکے گھٹا چھائے   پھر کہیے دل اومس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے

اوڑھو تو پسینہ جو نہ اوڑھو تو غضب آئے   پسّو کبھی مچھر کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس

سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی   تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی

اور اس میں جو پھر ہو گئی اومس کی چڑھائی   تو پھر وہی رونا وہی غل شور دھائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس

سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

اومس میں تو لازم ہے کہ پنکھا نہ ہوا ہو   اک کوٹھری کہ جس میں نہ ہوا آکے بھرا ہو

اور مکھیوں کے واسطے گر تن سے ملا ہو   اس وقت مزا دیکھیے اومس کا کہ کیا ہو

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس

سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

اس رت میں تو واللہ عجب عیش ہے دلخواہ   مینہ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ

جنگل بھی ہرے گل بھی کھلے سبز چراگاہ   اومس ہی مگر دل کو ستاتی ہے نظیر آہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

بادل کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند — پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پھیلنے کو کوئی بگڑی کوئی کمھلے ہے گھرا بند — دم رک کے گھٹا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

ادھر تو پسینوں سے پڑی بھیگے ہیں کمائیں — گرمی سے اُدھر مل کی کچھ چیونٹیاں کاٹیں
کپڑا جو پہنے تو پسینے اُسے آٹیں — ننگا جو بدن رکھئے تو دہیر مکھیاں کھائیں

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

رکنے سے ہوا کے جو برا ہوتا ہے احوال — پنکھا کوئی آنچل کوئی دامن کوئی رومال
دم دھونکنے لگتا ہے تنازن کی گویا کھال — کچھ روح کو بے تابیاں کچھ جان کو جنجال

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

گھبرا کے کبھی آتا ہے دم جاتا ہے بھولا — آرام جو دل کا ہے سبھی جاتا ہے بھولا
آتا ہے کبھی ہوش کبھی جاتا ہے بھولا — کپڑے بھی برے لگتے ہیں جی جاتا ہے بھولا

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اک رات کو آکر — کروٹ لتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر

منہ اُن کے چاند کے ٹکڑے ہوں تن اُنکے روئی کے گالے ہوں
پوشاکیں نازک رنگوں کی اور اوڑھے شال دوشالے ہوں
کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ہوں کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں
پیالہ پر پیالہ چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں ہو خلوت کا اور عیش کی سب تیاری ہو
وہ جان کہ جس سے جی غش ہو سو ناز سے آ جھنکاری ہو
دل دیکھ نظیرا اس کی چھب کو ہر آن ادا پر واری ہو
سب عیش مہیا ہو آکر جس جس ارماں کی باری ہو
جب سب ارماں نکلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

(۲۷)

کیا ابر کی گرمی میں گھڑی پہر ہے اُومس
گرمی کے تڑپانے کی عجب لہر ہے اُومس
پانی سے پسینوں کی پڑی نہر ہے اُومس
ہر باغ میں ہر دشت میں ہر شہر ہے اُومس
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

کہتے تو اس اُومس کے تئیں کتنے گرباؤ
یعنی کہ گھرا ابر ہوا اور آکے رُکے باؤ
اس وقت تو پڑتا ہے عفونت جاں میں گھیراؤ
دل سینہ میں بیکل ہو یہی کہتا ہے کھاتاؤ

سناٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں تیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

جب ایسی سردی ہو اے دل تب زور مزے کی گھاتیں ہوں
کچھ نرم بچھونے مخمل کے کچھ عیش کی لمبی راتیں ہوں
محبوب گلے سے لپٹا ہو اور کہنی چٹکی لاتیں ہوں
کچھ بوسے ملتے جاتے ہوں کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں
دل عیش طرب میں پلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہو فرش بچھا غالیچوں کا اور پردے چھوٹے ہوں آکر
اک گرم انگیٹھی جلتی ہو اور شمع ہو روشن اور تس پر
وہ دلبر شوخ پری چنچل ہے دھوم مچی جس کی گھر گھر
ریشم کی نرم نہالی پر سو نازو ادا سے ہنس ہنس کر
پہلو کے بیچ مچلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ترکیب بنی ہو مجلس کی اور کافر ناچنے والے ہوں

(۲۶) موسم سرما

جب ماہ اگہن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا غم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی
ہو شور پھپو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی سی کی
کلّہ پہ کلّہ لگ کر چلتی ہو منہ میں چکی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑاکڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لے کر

اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کچھ ناچ کی بہاریں پانی کے کچھ تماشے
دریا میں جمع رہتے ہیں اندر کے سو اکھاڑے
لب ریز گلرخوں سے دونوں طرف کرارے
بجرے و ناو، چپو ڈونگی بنے نوارے

ان جمگھٹوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ناؤں میں مہ جو گلرو ناچوں میں جھک رہے ہیں
جوڑے بدن میں رنگیں گھنے جھنک رہے ہیں
نا گیں سا ہوا میں اڑتیں پلیلے کھڑک رہے ہیں
عیش و طرب کی جو میں پانی چھپک رہے ہیں

سو ساٹھ کے بنا کر اطوار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں سید کبیر کی جے
پھر اس کے بعد اپنے استاد پیر کی جے
مور و مکٹ کنہیا، جمنا کے تیر کی جے
پھر غول کے سب اپنے خورد و کبیر کی جے

ہر دم یہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کیا کیا نظیرؔ یاں کے ہیں پیرنے کے بانی
ہے جنکے پیرنے کی ملکوں میں آن بانی
استاد اور خلیفہ شاگرد یار جانی
سب خوش رہیں ہے جبتک جمنا کے بیچ پانی

کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر بار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کرشن کنہیا نے بانسری

کتنے تو اس کی دھن کے لئے رہتے بیقرار
کتنے لگائے کان اُدھر رہتے بار بار
کتنے کھڑے ہو راہ میں کر رہتے انتظار
آئے جدھر بجاتے ہوئے شیام جی مرار

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کرشن کنہیا نے بانسری

موہن کی بانسری کے میں کیا کیا کہوں جتن
لے اس کی من کی موہنی دُھن اُسکی جیت ہرن
اس بانسری کا آن کے جس جا ہوا بجن
کیا چل پون نظیر پکھیرو کیا ہرن

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کرشن کنہیا نے بانسری

ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

گوالوں میں نندلال بجاتے وہ جس گھڑی
گوئیں دھن اسکی سننے کو رہجاتیں سب کھڑی
گلیوں میں جب بجاتے تو وہ اس کی دھن بڑی
لے لے کے اپنی لہر جہاں کان میں پڑی
سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

بنسی کو مرلی دھر جی بجاتے گئے جدھر
پھیلی دھن اسکی زور ہر اک دل میں کر اثر
سنتے ہی اس کی دھن کی حلاوت ادھر اُدھر
منھ چنگ اور نے کی دھنیں دل سے بھول کر
سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

بن میں اگر بجاتے تو واں بھی یہ اسکی چاہ
کرتی دھن اس کی پنچھی پرندوں کے دل میں راہ
بستی میں جو بجاتے تو کیا شام کیا پگاہ
پڑتے ہی دھن وہ کان میں بلہاری ہو کے واہ

کتنے تو اس کے سننے سے دُھن ہو گئے دھنی
کتنوں کی سدھ بسر گئی جبدم وہ دُھن سُنی
کتنوں کے من سے کل گئی اور بیاکلی جنی
کیا ترسے لپکے ناریاں کیا کوڑھ کیا گنی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

جس آن کانہہ جی کو وہ بنسی بجاونی
جس کان میں وہ آونی واں سدھ بھلاونی
ہرمن کی ہو کے موہنی اور چیت لبھاونی
نکلی جہاں دُھن اس کی وہ میٹھی سہاونی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

جس دن سے اپنی بنسی وہ سری کشن نے سجی
اس سانورے بدن پہ نپٹ آن کر سجی
مرلی ہلایا آپ کو ناری نے سدھ تجی
انگی اُدھر سے آکے وہ بنسی جدھر بجی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری

بھر تھال روپے اور مُہریں دیں جب نیگ چُکایا دائی کا
نند اور جسودا بالک کو واں ہاتھوں چھاؤں نیں تھے رکھتے
نت پیار کریں تن من واریں ستھری ابرن گہنے بنکے
جی بہلاتے من پرچاتے اور خوب کھلونے منگواتے
ہر آن جُھلاتے پلنے میں اِدھر اور اُدھر ٹہلاتے
کر یاد نظیرؔ اب ہر ساعت اُس پالنے اور اُس جھولی کی
آنند سے مٹھی چین کرو جے بولو کان جھنڈولے کی

جب مرلی دھر نے مُرلی کو اپنی اَدھر دھری
کیا کیا پریم میت بھری اس میں دُھن بھری
لے اس میں رادھے رادھے کی ہر دم بھری کھری
لہرائی دُھن جو اُس کی اِدھر اور اُدھر ذری
سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

پھر اور خوشی کی بات ہوئی جب ریت ہوئی دُودھ کاندونی
رکھوائی دودھ کی مٹکی بھر اور ڈالی ہلدی بہتیری
یہ اس پر پھینکے بھر بھر کر وہ اس پر ڈالے گھڑی گھڑی
کوئی پوچھے نہ اور براہمن کو کوئی سگری بھیگی اور بھری
اس دودھ کی بھی رنگ ریلوں میں روپیا اور بہار ناری کا
اور تن کے ابرن یوں بھیگے جوں رنگ ہو کیسر کیاری کا
سکھ منڈل میں یہ دھوم مچی اور باھر رنگی جو گی بھی
کچھ ناچیں بھانڈ بھگتیے بھی کچھ ہیجڑے پاویں بیل پُری
آنند بدھاوے باج رہے نرسنگے برنا اور ترئی
رنگین سنہرے پالنے بھی لے ہاتھ کھڑے سکتے برتی
ہر آن اُٹھاتے تھے مانگ کیا گنتی سونے روپے کی
نند اور جسودا نے ایسی کی شادی بالک ہونے کی
جو رنگی جوگی تھے انکو اس آن نپٹ خوشحال کیا
پھر آئے باگے ریشم کے اور زر بھی بخشا بہتیرا
اور جتنے ناچنے والے تھے اسباب انہیں بھی خوب دیا
مہمان جو گھر میں آئے تھے سب ان کا بھی ارمان رکھا
دن رات چھٹی کے ہونے تک من جوش کیا لوگ رگائی کا

کوئی لائی ھنسلی اور کھڑوے کوئی کرتہ ٹوپی میوہ گھی
کوئی دیکھے روپ اُس بالک کا کوئی ماتھا چومے مہر بھری
کوئی بھنووں کی تعریف کرے کوئی آنکھوں کی کوئی پلکوں کی
کوئی کہتی عمر بڑی ہووے اے بیر تمہارے بالے کی
کوئی کہتی بیاہ بھولاؤ اس آس امید والے کی
کوئی کہتی بالک خوب ہوا اے بہنا تیری نیک رتی
یہ بالے اُنکو ملتے ہیں جو دنیا میں ہیں بڑہ بھاگی
اس کہنے کی بھی شان بڑھی اور بھاگ بڑا اس گھر کا بھی
یہ باتیں سب کی سن سنکر یہ بات جسودا کہتی تھی
اے بیر یہ بالک جو ایسا اب میرے گھر میں جنما ہے
کچھ اور کسوں میں کیا تم سے بھگواں کی مو پر کرپا ہے
تھی کونے کونے خوشوقتی اور طبلے تال کھنکتے تھے
کوئی ناچ رہی کوئی کود رہی کوئی ھنس ھنس کے کچھ روپ سجے
ہر چار طرف آنندیں تھیں واں گھر میں نند جسودا کے
کچھ آنگن بیچ براجے تھیں کوئی بیٹھی کوٹھے اور چھجے
سو خوبی اور خوش حالی سے دکھلاتی تھی سامان گھڑی
سچ بات ہے بالک ہونے کی ہے دنیا میں آنند بڑی

سو فکر کرو سو بیچ کرو سو بات سنا دو حاصل کیا
ہر آن وہی یاں ہونا ہے جو ماتھے کے ہے بیچ لکھا
ہیں کہتے بدھ جسے اب یاں وہ سوچ بڑے ٹھہراتی ہے
تقدیر کے آگے پر بار و تدبیر نہیں کام آتی ہے
اب نند کے گھر کی بات سنو واں ایک اچنبھا یہ ٹھہرا
جو رات کو جنمی تھی لڑکی اور بھور کو دیکھا تو لڑکا
گھڑنائیں چھوٹیں ناچ ہوا اور نوبت کا غل شور مچا
پھر کشن گرب نے نام رکھا سب کہنے کے مل بیٹھے آ
نند اور جسودا اور گوالے کرنے واں ہیرا پھیر لگے
پکوان مٹھائی میوے کے ہر ناری آگے ڈھیر لگے
سب ناری آئیں گوکل کی اور پاس پڑوسن آ بیٹھیں
کچھ ڈھول مجیرے لاتی تھیں کچھ گیت مچا کے گاتی تھیں
کچھ ہر دم کچھ اس بالک کا پیاری ہو کر دیکھ رہیں
کچھ تھال مجیری کے رکھتیں کچھ سونٹھ ستھور اکرتی تھیں
کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو
کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو
کوئی گھٹی بیٹھی گرم کرے کوئی ڈالے اسپند اور بھوسی

جو جوکی والے سوتے بھے اب کون انہیں روکے ٹوکے
جب پہنچ محل کے جا پہونچے سب سوتے واں گھر والے تھے
ہر چار طرف اجیالی تھی جوں سانجھ میں دیوے بالے تھے
اک اور اچنبھا یہ دیکھو جو رات جنم سی کشن کی تھی
اس رات جسودا کے گھر میں تھی جنمی یارو اک لڑکی
واں سوتے دیکھ جسودا کو اور بدلی کر اس بالک کی
اس لڑکی کو وہ آپ اٹھا لے نکلے آئے متھرا جی
جب لڑکی لائے مندر میں سب تالے مندر کے لگ گئے
جو جوکی دینے والے تھے پھر وہ بھی اسدم جاگ اٹھے
جب بھور ہوئی تب گھبرا کر سدھ کنس نے لی اس مندر کی
جب تالے کھلوا پہنچ گیا تب لڑکی جنمی اک دیکھی
لے ہاتھ پھرایا چکر دے تو چھٹکے وہ بن سے چھٹکے ہی
یوں جیسے بجلی کوندے ہے جب چھوٹ ہوا پر جا پہونچی
یہ کہتی نکلی اسے مورکھ کیا تو نے سوچ بچارا ہے
وہ جتیا اب تو سیس مکٹ، جو تیرا مارن ہارا ہے
جب کنس نے واں یہ بات سنی من بیچ بہت سا لجیایا
جو کارج ہونے والا ہے وہ ٹالے سے کب ہے ٹلتا

وہ بالک کو جب لے نکلے سب سانکر پٹ پٹ چھوٹ گئے
تھے تالے جتنے دوارے لگے اُس آن جھڑا جھڑ ٹوٹ گئے

جب آئے چوکیداروں میں تب واں بھی یہ صورت دیکھی
سب سوتے پائے اس ساعت ہر آن جو دیتے تھے چوکی

جب سوتا دیکھا اُن سب کو ہو نر بھو نکلے واں سے بھی
پھر آئے جمنا پہ جو ہیں پھر جمنا دیکھی بہت چڑھی

یہ سوچ ہوا من بیچ انہیں ہیں پار اس جل میں کیسے دھرئے
ہے رین اندھیری بالک سنگ اس بپتا میں اب کیا کرئے

یوں من میں ٹھرا پھر چلنے پھر آپ ہی من مضبوط ہوا
بھگوان دیا پر آس لگا واں جمنا جی پر دھیان دھرا

یہ جوں جوں پاؤں بڑھاتے تھے وہ پانی چڑھتا آتا تھا
یہ بات لگی جب ہونے واں بسدیو گئے من میں گھبرا

جب پاؤں بڑھائے بالک نے جو آپ ہے اور بھیگے جل میں
جب جمنا نے پگ چوم لئے جا ہو پہنچے پار وہ اک پل میں

جب آن برلبجے گوکل میں سب بہانک واں بھی پاکے کھلے
تب واں سے چلتے چلتے وہ پھر نند کے دوارے آ پہنچے

واں نند محل کے دوارے بھی سب دیکھے پٹ پٹ دوار کھلے

کچھ نام وہ اِس کا رکھے گا اور مہر و یا سے پاوے گا
جو حال یہ واں جا پہنچے گا تو اس کا جی بچ جاوے گا
جو کرم لکھی ہے تو پھر بھی کچھ ہمکو آن دکھاوے گا
جس گھر کے بیچ پلے گا یہ وہ گھر ہم کو بتلاوے گا
ہم اس سے ملنے جاویں گے یہ ہم سے ملنے آوے گا
نے کام نہیں کچھ دعوے سے نے جھگڑا اور بکھیڑے سے
جب دیکھن کو من بھٹکے گا سکھ پاویں اسکے دیکھے سے
ہے آدھی رات ابھی تو یاں لیجاؤ اسے تم حال اُدھر
لپٹا لو اپنی چھاتی سے وے آؤ جا کے اور اُسکے گھر
من بیچ انہوں کے تھا ڈر یہ دن ہووے گا تو کنس آکر
اِک آن میں اسکو مارے گا رہجاوین گے ہم آنسو بھر
یہ بات وہ تھی معلوم انہیں یہ بالک جگ نستارے گا
کب مار سکے گا کنس اسے یہ کنس کو آپ ہی مارے گا
جب دیوکی نے بسدیو سے واں رو رو کر تب یہ بات کہی
وہ بولے کیونکر لیجاوں ہے باھر تو چوکی بیٹھی
اور دوار لگے ہیں تالے کل کچھ بات نہیں میرے بس کی
نت دیوکی بولی لیجاؤ من اندیشہ نہ رکھ آس ابھی

پھر آیا وہ اک وقت ایسا جب آ ئے گرب میں منموہن
گوپال، منوہر، مرلیدھر، سیکشن، کشورن، کیول من
گھنشام، مُراری، بنواری، گردھاری، سندر، شیام برن
پربھو ناتھ ہماری کان للا سکھدا ئی جگ کے دکھ بھنجن
جب ساعت پرگھٹ ہونے کی واں آئی نکٹ دھریا کی
اب آگے بات جنم کی ہے جے بولو کشن کنہیا کی
تھا نیک مہینہ بھادوں کا اور دن بدھ، گنتی آٹھن کی
پھر آدھی رات ہوئی جس دم اور ہوا نچھتر روہنی بھی
سبھ ساعت نیک مہورت سے واں جنمے آکر کشن جبھی
اس مندر کی اندھیاری میں جو اور اجالی آن بھری
بسدیو سے بولیں دیوکی جی مت ڈر بھو من میں دھیر کرو
اس بالک کو تم گوکل میں لے پہنچاؤ مت دیر کرو
جو تم اس کے لیجانے میں یاں تک بھی دیر لگاؤ گے
وہ دُشٹ اسے بھی مارے گا پچھتاتے ہی رہ جاؤ گے
اس آن سنبھل کر تم اس کو جو گوکل میں پہنچاؤ گے
اس بات میں یہ پھل پاؤ گے جو اس کی جاں بچاؤ گے
واں گوکل باسی جو اس کو لے اپنی گود سنبھالے گا

جب نارومن اُس پاس گئے تب اُن سے اُس نے بھید کہا
تب نارومن نے اس کو بھی کچھ اور طرح سے سمجھایا
پھر کنس کو واں اس بات سوا کچھ اور نہ مارگ بن آیا
جو اپنی جان بچانے کا کر سوچ یہ اُس نے پھند کیا
بلوا بسدیو اور دیو کی کو اک مندر بیچ بند کیا
جب قید کیا ان دونوں کو تب چوکیدار دیے بٹھلا
اک آن نہ نکسن پاویں یہ پھر اُن سب کو یہ حکم دیا
سامان رسوئی کا جو تھا سب اُن کے پاس دھرا رکھوا
اور دوار دئے اُس مندر کے تب بھاری تالے بھی جڑوا
ہشیار لگے یوں رہنے واں نت چوکی کے دینے ہار
کیا تاب جو کوئی ٹھٹکے جھجکے پر اک آن پرندہ پر مارے
بسو بیٹھا تھا جو کنس کے من وہ بھر کر نیند نہ سوتا تھا
کچھ بات سہاتی نا اسکو نت اپنی پلک بھگوتا تھا
اس مندر میں اُن دونوں کے جب کوئی بالک ہوتا تھا
کنس آن اُسے جھپ مارے تھا من مات پتا کا روتا تھا
اک مدت تک ان دونوں کا اس مندر میں یہ حال رہا
جو بالک ان کے گھر جنما سو مارتا وا جنجال رہا

تھا ایک پُرکھ وہ یوں بولا تو بھولا اپنے بل پر کیسا
جو تیرا مارن ہارا ہے سو وہ بھی جنم اب لیوے گا
تو اپنے بل پر رہے مو رکھ اِس آن عبث ھنکار لیا
وہ تجھکو مار گراوے گا یوں جیسے ہنیگا مار لیا
یہ بات سنی جب کنس نے واں تب سن کر اسکے ہوش اڑے
ہو من کے بیچ آن بھرا اور بول گرب سگرے بسرے
یوں پوچھا وہ کس دیس میں ہے اور کون ہنوں آ کر جنمے
کون اُس کے مات پتا ہو ویں جو پالیں اُسکو جا ہت سے
وہ بولا متھرا نگری میں اک روز جنم وہ پاوے گا
جب سیانا ہو گا تب تجھکو اک پل میں مار گراوے گا
یہ بات سنائی کنس کو پھر اور آٹھ لکیریں واں کھینچیں
بسدیو پتا کا ناؤں کہا اور دیوکی ماتا ٹھہرائیں
اُن آٹھ لکیروں کی باتیں پھر کنس کو اُسنے سمجھائیں
سب چھوڑا چھوری دیوکی کے ہیں جگت میں ہوتے آٹھ یہ ہیں
بل پنچ گرب میں تو نے تو سب کارج گیان بسارا ہے
جو پانچھے ریکھا کھینچی ہے وہ تیرا مارن ہارا ہے
اس بات کو سن کر کنس بہت تب من میں اپنے گھبرایا

جو لیسلا جینی ہوتی ہے وہ روپ یہ جا دکھلاتے ہیں
یوں دیکھنے میں اور کہنے میں وہ روپ تو بالے ہوتے ہیں
پر بالے ہی پن میں اُن کے اُبکار نرالے ہوتے ہیں

یہ بات کہی جو میں نے اب یوں اسکو تواب بیان لگا
ہے پنڈت پستک بیچ لکھا تھا کنس جو راجا متھرا کا
دھن ڈھیر بہت، بل تیج نپٹ سامان انیک اور ڈیل بڑا
گج اور ترنگ اچھے نیکے انباری ہودے زین سجا
جن بن ٹھن او نچے ہستی پر وہ پالی آن نکلتا تھا
سب ساز جھلا جھل کرتا تھا اور سنگ کٹک دل چلتا تھا

اک روز جو اپنی پُھج بل پر وہ کنس بہت مغرور ہوا
اور ہنس کر بولا دنیا میں ہے دوجا کون بلی مجھ سا
اک بان لگا کر پربت کو چاہوں تو دوں اک پل میں گرا
اس دیس کے بڑے بل جتنے ہیں ہے کون جو مجھ سے ہووے سوا
جو دُشٹ کوئی آ جدہ کرے کب موں پر وا کا جور چلے
وہ سامنے میرے ایسا ہو جوں چیونٹی ہاتھی پاؤں تلے
وہ ایسے ایسے کتنے ہی جو بول گربہ کے کہتا تھا
سب لوگ سبھا کے سنتے تھے کیا تاب جو بولے کوئی ذرا

جو لطف عنایت ان میں ہیں کب وصف کسی سے اُن کا ہو
وہ لطف و کرم جو کرتے ہیں ہر چار طرف ہیں ظاہر وُد
الطاف جنہوں پر ہیں اُن کے سو خوبی حاصل ہے اُن کو
ہر آن نظیر اب یاں تم بھی تو بابا نانک شاہ کہو
اُس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

(۲۳) جنم کنہیا جی

ہے ریت جنم کی یوں ہوتی جس گھر میں بالا ہوتا ہے
اُس منڈل میں ہر من بھیتر سکھ چین دو بالا ہوتا ہے
سب بات بپتا کی بھولے ہے جب بھولا بھالا ہوتا ہے
آنند منڈیلے باجت ہیں نت بھون اُجالا ہوتا ہے
یوں نیک پچھتر پیتے ہیں اس دنیا میں سنسار جنم
پر اُن کے اور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم
سبھ ساعت سے یوں دنیا میں اوتار گربھ میں آتے ہیں
جو نارد مُن ہے دھیان بھلی سب انکا بھید بتاتے ہیں
وہ نیک مہورت سے جب دم اس سرشٹ میں جنمے جاتے ہیں

سب من کے مقصد بھر پائے خوش وقتی کا ہنگام لیا
دُکھ درد میں اپنے دھیان لگا جس وقت گرو کا نام لیا
پل بیچ گرو نے آن انہیں خوش حال کیا اور تھام لیا
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

یاں جو جو دل کی خواہش کی کچھ بات گرو سے کہتے ہیں
وہ اپنی لطف و شفقت سے نت ہاتھ انہوں کے گہتے ہیں
الطاف سے اُن کے خوش ہو کر سب خوبی سے یہ کہتے ہیں
دُکھ درد انہوں کے ہوتے ہیں سو سُکھ سے جگ میں رہتے ہیں
اِس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو ہر دم اُن سے دھیان لگا امید کرم کی دھرتے ہیں
وہ ان پر لطف و عنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ انہوں کے بھرتے ہیں
آنند عنایت کرتے ہیں سب من کی چنتا ہرتے ہیں
اِس بخشش کے اِس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

مقصود، مراد، امید، سبھی بر لاتے ہیں دلخواہ گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

ہر آن دلوں بیچ یاں اپنے جو دھیان گرو کا لاتے ہیں
اور سیوک ہو کر ان کے ہی ہر صورت بیچ کہاتے ہیں
گر اپنی لطف و عنایت سے سکھ چین انہیں دکھلاتے ہیں
خوش رکھتے ہیں ہر حال انہیں سب من کا کاج بناتے ہیں
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو آپ گرو نے بخشش سے اس خوبی کا ارشاد کیا
ہر بات وہ ہے اس خوبی کی تاثیر نے جس پہ صاد کیا
یاں جس جس نے ان باتوں کو ہے دھیان لگا کر یاد کیا
ہر آن گرو نے دل اس کا خوش وقت کیا اور شاد کیا
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

دن رات جنہوں نے یاں دل بیچ ہے یاد گرو سے کام لیا

بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھوتیوں کے لڑکے
ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ ناز جتا دیں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گا دیں اڑ اڑ کے
کچھ لچکے شوخ کمر پتلی کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑکے
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہ دھوم مچی ہو ہولی کی اور عیش مزے کا جھکڑ ہو
اس کھینچا کھینچ گھسیٹی میں بھڑوا رنڈی کا پھکڑ ہو
معجون شرابیں ناچ مزا اور ٹکیا سلفا لکڑ ہو
لڑ بھڑ کے نظیر بھی نکلا ہو کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ ہو
جب ایسے عیش مہکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

(۲۲) نانک شاہ گرو

ہیں کہتے نانک شاہ جنہیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر ہیں جگ میں یوں روشن جیسے ماہ گرو

پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خم شیشے جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
محبوب نشے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز وادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منہ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال جھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس عیش مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس رنگ رنگیلی مجلس میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو
منہ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو ہر آن بجاتی تالی ہو
مے نوشی ہو بےہوشی ہو بھڑوے کے منہ میں گالی ہو

اور خوبیاں جہان کی تم پر ہوئیں مسلّم ابرِ کرم سے تیرے دائم ہے سبز و خرّم
عالم کا سب گلستاں حضرت سلیم چشتی

پشت و پناہ ہو تم ہر اک گدا و شہ کے محتاج ہیں تمہاری اک لطف کی نگہ کے
منزل پہ آ کے پہونچے سالک تمہاری رہ کے خاکِ قدم تمہاری اور چشم مہر و مہ کے
ہو روشنی کے ساماں حضرت سلیم چشتی

چشم و چراغ ہو تم اب جملہ مومنیں کے روشن ہیں تم سے پردے سب آسمان زمیں کے
بیشک ضیائے دل ہو ہر صاحبِ یقیں کے ذرّہ نہیں تفاوت تم آسماں ہو دیں کے
ہو آفتابِ رخشاں حضرت سلیم چشتی

عالم ہے سب معطر تیرے کرم کی بو سے حرمت ہے دوستوں کی حضرت تمہارے رو سے
یہ چاہتا ہوں اب میں سو دل کی آرزو سے رکھیو نظیرؔ کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجدِ ہر احساں حضرت سلیم چشتی

(۲۱) ہولی کی بہار

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

عالم ہے بلاغ و گلستاں حضرت سلیم چشتی

شاہوں کے بادشہ ہو باتاج باتو ہو
اور قبلۂ صفا ہو اور کعبۂ ضیا ہو
خلقت کے رہنما ہو دنیا کے مقتدا ہو
تم صاحب سخا ہو محبوب کبریا ہو

ہے تم سے زیب امکاں حضرت سلیم چشتی

شاہ و گدا میں تابع سب تیری مملکت کے
لائق تمہی ہو شاہا اس قدر و منزلت کے
پروردہ ہیں تمہارے سب خوان مکرمت کے
شاہا شرف تو بخشے خالق کی سلطنت کے

اور تم ہو میر ساماں حضرت سلیم چشتی

ہے نام پاک تیرا مشہور شہر و بن میں
کرتی ہیں یاد تم کو یہ جانیں ہیں جو تن میں
ہے خلق کی تمہارے خوشبو گل و سمن میں
خدمت میں ہیں تمہاری فردوس کے چمن میں

جنت کے حور و غلماں حضرت سلیم چشتی

کعبہ سمجھ کے اپنا مشتاق تیرے در کو
کرتے ہیں آ زیارت دل سے جھکا کے سر کو
اوصاف تیرے ہر دم لیتے ہیں سیم و زر کو
پڑھتے ہیں مدح تیری گلشن میں ہر سحر کو

ہے بلبل خوش الحاں حضرت سلیم چشتی

ہے سلطنت جہاں کی سب تیرے زیر فرماں
جا کر ہیں تیرے در کے فغفور اور خاقاں
خوان کرم پہ تیرے ہے خلق ساری مہماں
ہیں حکم میں تمہارے جن و پری انساں

ہو وقت کے سلیماں حضرت سلیم چشتی

خلقت ہوئی تمہارے سب نور سے مجسم
تم سب سے ہو معظم اور سب سے ہو مکرم

تو اسنے جور کی نتھا ور ازار آناری ہے ازار کیا ہے کہ جور و تلک بھی ہاری ہے

سنا یہ تو نے نہیں اجرا دوال کا

جہاں میں یہ جو دوال کی سیر ہوتی ہے تو زر سے ہوتی ہے اور زر نجیر ہوتی ہے

جو ہارے ان پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے اور اُن میں آن کے جن جن کی خیر ہوتی ہے

تو آڑے آتا ہے ان کے دیا دوال کا

یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ انکو جانیو یارو نصیحتیں ہیں انہیں دل میں ٹھانیو یارو

جہاں کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو جو جواری ہو نہ بُرا اس کا مانیو یارو

نظیر آپ بھی ہے جواریا دوال کا

(۲۰) حضرت سلیم چشتی

ہیں دو جہاں کے سلطان حضرت سلیم چشتی عالم کے دین و ایمان حضرت سلیم چشتی

سرِ دفترِ مسلمان حضرت سلیم چشتی مقبول خاص یزداں حضرت سلیم چشتی

سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتی

برجِ اسد کی رونق عرش بریں کے تارے گلزار دیں کے گلبن اللہ کے سنوارے

یہ بات جان و دل سے کہتے ہیں سب پکارے تم وہ ولی ہو برحق جو فیض سے تمہارے

شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلے بار گنڈے کی — پھر اس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
پھری جو ایسی طرح بار بار گنڈے کی — تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی
کمال نرخ لگا پھر تو آ دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری — جو کچھ بھی جنس میسر بنا بنا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری — کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری
یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لانگی موٹھ نے مارا — کسی کے گھر پہ دھرا سوختہ نے انگارا
کسی کو نرد نے چوپڑ کے کر دیا زارا — لنگوٹی باندھ کے بیٹھا ازار تک ہارا
یہ شور آ کے مچا جا بجا دوالی کا

کسی کی جورو کہے ہے پکار دے بھڑوے — بہو کی نوگرہی بیٹے کے ہاتھ کے کڑے دے
جو گھر میں آوے تو سب مل کہے ہیں گھر کے — نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں بھڑوے
خدا نے تجھکو تو شہرہ کیا دوالی کا

وہ اسکے جھونٹے پکڑ کر کہے ہے مارونگا — ترا جو گہنا ہے سب تار تار اتاروں گا
حویلی اپنی تو اک داؤ پر میں ہارونگا — یہ سب تو ہارا ہوں خندی تجھے بھی ہارونگا
چڑھا ہے مجھکو بھی اب تو نشا دوالی کا

تجھے خبر نہیں خندی یہ لت وہ پیاری ہے — کسی زمانہ میں آگے ہوا جو جواری ہے

ہر اک مکان میں جلا پھر دیا دوالی کا ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے ادھار
کھلونے، کھیلوں، بتاسوں کا گرم ہے بازار ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی پکارتے ہیں کہ لالہ دوالی ہے آئی
بتاسے لے کوئی برفی کسی نے تلوائی کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا انہوں کے واں راج آگیا دوالی کا

صرف حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار انہوں نے کھایا ہے اس دن کے واسطے ہی ادھار
کہے ہیں ہنس کے قرضخواہ سے ہر اک اک بار دوالی آئی ہے سب دیں جلا میں گے اے یار
خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی جلا چراغ کو کوڑی وہ جلد جھنکائی
اصل جواری تھے ان میں تو جان سی آئی خوشی سے کود اچھل کر پکارے او بھائی

چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جادو وہ سے لگے　　اُس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسی ہی اسکے منہ پہ خوشی کی ہوئی بہار

جب اسنے بچے پائے تو ہو کر وہ شادماں　　بچوں سمیت اُٹھ کے وہ حیوان بے زباں
روضہ کے سات بار تصدق ہوئی وہاں　　پھر آستانہ چوم ہوئی واں سے وہ رواں
جا پہنچی اپنے دشت میں خوش ہوتی بار بار

شیرِ خدا کے عدل کی یہ دیکھ رسم و راہ　　خلقت تمام واں کی پکاری کہ واہ واہ
انصاف ایسا چاہیے اے شاہ دیں پناہ　　حامی و منصف اور نہیں کوئی تم سا شاہ
ہے ختم تم پہ عدل و حمایت کا کاروبار

حیواں تمہارے لطف سے جب ہوتے ہیں شاد　　انساں پھر اس مکاں سے رہیں کیونکہ نامراد
جیسے تمہارے در سے ملی شیرنی کی داد　　احسان ایسے ایسے بہت سے کرم نہاد
ہیں گے تمہارے صفحۂ عالم میں یادگار

اے شاہ یہ نظیرؔ تمہارا غلام ہے　　رکھتا ہوا تمہارے کسی سے نہ کام ہے
عاصی ہے پرگناہ ہے اور ناتمام ہے　　دن رات اُس کا آپ سے اب یہ کلام ہے
رکھ لیجیو میری آبرو یا شیر کردگار
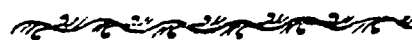
جلدی سے انکو بھیجدے کر اونٹ پر سوار

وہ تھرتھرا کے کانپ اُٹھا ہوکے عذرخواہ　　جانا یہ اسنے ہیں یہ شہنشاہِ دیں پناہ
بولا نجف تو پندرہ دن کی ہے یاں سے راہ　　بھجوا دوں کسطرح سے انہیں کل میں بے گناہ

اتنا تو اِس غلام میں کب ہے گا اختیار

جب حکم یہ ہوا اسے جسوقت ہو سحر　　جلدی سے دونوں بچوں کو رکھوا کے اونٹ پر
بھجوا دے اپنے شہر کی آبادی سے ادھر　　جب یہ پہنچیں گے یہ شہر کے دروازے کے اوپر

واں پیدا ہوگا غیب سے اِک ناقہ سوار

ہوتے ہی صبح اس نے منگا کر وہ دو بچے　　رکھوا کے ایک اونٹ پہ جلدی رواں کیے
جب لوگ آئے شہر کے دروازے کے کنے　　کیا دیکھیں ایک شخص کو گویا آدھی رات سے

ہے منتظر وہ اونٹ کی پکڑے ہوئے مہار

جاتے ہی دونوں بچے انہوں نے اُسے دیئے　　با احتیاط سونپ کے پھر شہر کو پھرے
وہ اُن بچوں کو لے کے چلا اس شتاب سے　　آ پہونچا اس مکاں میں اِک پہر دن چڑھے

یک بار اس کا شہر نجف میں ہوا گزار

بچوں کے آنے کے جب غل ہوئے گرد و بر　　وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے منہ کو موڑ
جب لا کے اسکے سامنے بچے دیئے وہ چھوڑ　　یوں خوش ہو چاٹنے لگی الفت کی کر جھنجھوڑ

انسان جیسے کرتا ہے بچوں کو اپنے پیار

بچے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے　　یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے

فریاد وہ تو مانگے تھی آغا سے جھوم جھوم
یعنی فلک نے مجھکو دکھایا یہ روز شوم
اس بات سے تمام نجف میں پڑی یہ دھوم
گر نہ اس کے مرد و زن کا ہوا آن کر ہجوم
حیرت میں تھے تمام جو ناداں جو ہوشیار

کوئی پانی اسکے واسطے کوئی کھانا لاتا تھا
لیکن اُسے تو رونے سوا کچھ نہ بھاتا تھا
بچوں کا داغ ہوش سب اسکے اڑاتا تھا
جو اسکو دیکھتا تھا اُسے رونا آتا تھا
ایسی طرح سے سر کو پٹکتی تھی بار بار

جب تین دن وہ شیرنی بھوکی پڑی رہی
ناچار ان شریفوں نے دیکھا اسکی بیکلی
جس طرح واں قدیم سے کہنے کی رہ اٹھی
اس طرح سے جناب مقدس میں عرض کی
با سینۂ الم کش و با چشم اشکبار

آئی ندا یہ شیرنی دیتی دہائی ہے
اک شخص کے یہ ظلم و ستم کی ستائی ہے
بچوں نے اسکے قید کی آفت جو پائی ہے
سو اب ہمارے روضہ پہ فریادی آئی ہے
کل اس کا بھید ہووے گا تم سب پہ آشکار

یاں تو شریف کو یہ عنایت ہوا جواب
واں جا پلنگ الٹ دیا اسکا لعین خراب
فرمایا وہ جو شیر کے بچے ہیں دل کباب
بھجوا دے انکو شہر نجف میں تو کل شتاب
ورنہ تو اس گنہ سے بہت ہوگا شرمسار

ماں ان کی ان کے واسطے آنسو بہاتی ہے
اور تین دن ہوئے ہیں نہ پیتی نہ کھاتی ہے
فریادی ہو کے روتی ہے اور غل مچاتی ہے
غش ہو ہمارے روضہ میں جی کو کھپاتی ہے

آنکھوں سے اُس ہجوم میں آنسو بہاتی تھی　　شاہ نجف کے روضہ پہ فریادی جاتی تھی

لوگ اُس پر اپنے خوف سے کرتے تھے ماربار

جس دم وہ پہنچی حیدر صفدر کے در تلک　　دربان اسکے خوف سے یکسر گئے سرک

داخل ہوئی وہ روضۂ انور میں یک بیک　　رونے لگی وہ سامنے سر کو پٹک پٹک

آنسو کی دونوں آنکھوں سے بہنے لگی قطار

آنکھوں سے اسکے آنسو کی ندی جو بہتی تھی　　بچوں کا داغ اپنے کلیجہ پہ سہتی تھی

کچھ منہ سے شور کرتی تھی کچھ دیکھ رہتی تھی　　گویا وہ منہ سے اپنی زباں میں کہتی تھی

بچے مرے دلائیے یا شیر کردگار

روتی تھی یوں وہ شیرنی آنسو بہا بہا　　مظلوم جیسے روتے ہے عادل کے پاس آ

اور کچھ زباں سے اپنی سناتی تھی بغبغا　　نکلے تھی آغا آغا کی منہ اسکے سے صدا

کہ آغا آغا در دسے روتی تھی زار زار

فریادی بن کے ساقیٔ کوثر کے سامنے　　محتاج بن کے صاحب قنبر کے سامنے

یوں دیکھتی تھی روضۂ انور کے سامنے　　مظلوم جیسے آن کے داور کے سامنے

کرتا ہے اس کے حکم کا رہ رہ کے انتظار

لوگوں کے دل سے جب تو ہوا خوف سکلم　　سب اسکے پاس آن کے دیکھیں تھے اسکا غم

ہر آن اپنے سر کو پٹک کر بہ چشم نم　　پنجوں کو اس طرح وہ اُٹھاتی تھی دمبدم

فریادی داد مانگے ہے جوں ہاتھ کو پسار

دس بیس روز کے تھے ابھی طفل شیر خوار

بچوں کو اپنی چھاتی پہ رکھے وہ بیزبان | دونوں کو بیٹھی دودھ پلاتی تھی شادمان

بندوق کی جو آئی صدا اس نے ناگہاں | نر مادہ دونوں بھاگ گئے ہو کے نیم جاں

بچے اکیلے رہ گئے جنگل میں بیقرار

القصہ جب شکار سے فارغ ہوا وہ شاہ | ناگاہ دونوں بچوں پر اسکی پڑی نگاہ

رکھوا کے انکو اونٹ پہ جلدی سے خواہ مخواہ | لی اس شکارگاہ سے پھر اپنے گھر کی راہ

محلوں میں اپنے آن کے اسنے لیا قرار

جب آئے شیر و شیرنی با حالت تباہ | اور دونوں بچے گھر میں نہ آئے انہیں نگاہ

وہ شیر کھا کے غش گرا اکبار کر کے آہ | اور شیرنی نے لی نجف اشرف کی راہ

سر پیٹتی چلی وہ بیاباں سے سوگوار

القصہ کتنے روز میں وہ شیرنی غریب | بھوکی پیاسی پھیرتی ہو تو نہ خستگی جیب

شوہر سے چھوٹی اور ہوئی بچوں سے بے نصیب | آ پہنچی یک بیک نجف اشرف کے عنقریب

پنجوں سے اپنے سر پہ اڑاتی ہوئی غبار

بازار میں نجف کے جب آئی وہ نیم جاں | ہر اک دوکاں سے اس کی اٹھا شور اور فغاں

کوئی پکارا دوڑیو کوئی پکارا ہاں | ہیبت سے اسکی چھپنے لگے پیر اور جواں

چاروں طرف سے دھوم مچی آ کے ایک بار

وہ تو کسی طرف کو نہ گھر کی بتاتی تھی | نے منہ کو موڑتی تھی نہ پنجہ اٹھاتی تھی

کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
سو محنتوں میں اسکی کھپاتی ہے جان کو چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
آخر نداں بھیک منگاتی ہے مفلسی

دنیا میں لیکے شاہ سے اے یارو تا فقیر خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیر
وہ جانے جسکے دل کو جلاتی ہے مفلسی

سنتے ہو اے علیؑ کے محبانِ دوستدار اک معجزہ میں کہتا ہوں اُس شہ کا آشکار
ہے تازہ واردات یہ از نقل روزگار تھا کوئی شخص دولت و حشمت میں نامدار
اک روز وہ گیا تھا کہیں کھیلنے شکار

جس دشت میں شکار کو گذرا تھا وہ غنی واں ایک شیر رہتا تھا اور اُسکی شیرنی
تھا ایک چشمہ پانی کا اور سبز تھی بنی دو بچے اس بنی میں تھی وہ شیرنی جنی

یاں تک حواس اُس کے اڑاتی ہے مفلسی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول   پیسا کہاں جو جا کے وہ لاوے جہیز مول
جورو کا وہ گلا ہے کہ پھوٹا ہو جیسے ڈھول   گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول

ہیبت تمام اُسکی اُٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہو تو نہ بھائی نہ ساتھی ہے   نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر اُوڑھے جاتی ہے   بیٹا بنا ہے دولہا تو باوا براتی ہے

مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

جو لطے تو نہ پانی کے مٹکے میں آبی ہے   پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نے رکابی ہے
مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے   مفلس کی جورو سچ ہے کہ ہاں سب کی بھابی ہے

عزت سب اس کے دل کی گنواتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل   کوئی گدھا کہے اسے ٹھیرا دے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل   منہ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل

سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے   جو آشنا ہیں انکی تو الفت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے   شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے

ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی   وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی

یہ مفلسی وہ شے ہے کہ جس گھر میں بھر گئی | پھر جتنے گھر تھے سب میں اسی گھر کے در گئی
زن بچے روتے ہیں گویا نانی گذر گئی | ہمسائے پوچھتے ہیں کہ کیا دادی مر گئی

بن مردے گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور غل مچائے | مفلس بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
مر جاوے گر کوئی تو کہاں سے اُسے اُٹھائے | اِس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے

مردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مفلسی

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں | جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں
کونوں میں جالے لپٹے ہیں چھپر میں کڑیاں | پیدا نہ ہو ویں جن کے جلانے کو لکڑیاں

دریا میں اُن کے مردے بہاتی ہے مفلسی

بی بی کی تھنہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے | کپڑے میاں کے بنئے کے گھر میں پڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں تو کھنڈر میں اڑے رہے | زنجیر نے کواڑ نہ پتھر گڑے رہے

آخر کو اینٹ اینٹ کھداتی ہے مفلسی

نقاش پر بھی زور جب آ مفلسی کرے | سب رنگ دم میں کردے مصور کے کر کرے
صورت بھی اسکی دیکھ کے مُنہ کھنیچ رہے پرے | تصویر اور نقش میں کیا رنگ وہ بھرے

اس کے تو مُنہ کا رنگ اڑاتی ہے مفلسی

جب مفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اُداس | پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
اک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگا کے آس | گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بھیاس

مفلس ہوئے تو حضرت لقماں کیا ہیں یاں
عیسیٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈوباتی ہے مفلسی

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اسے بے بتاتے ہیں
وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
انکی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

مفلس کرے جو آنکے مجالس کے بیچ حال
سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اس نے جال
گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اسے سنبھال
مفلس میں ہوویں لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آکے ملاتی ہے مفلسی

جب روٹیوں کے بٹنے کا آکر پڑے شمار
مفلس کو دیویں ایک تونگر کو چار چار
گر اور مانگے وہ تو اسے جھڑکیں بار بار
اس مفلسی کا آہ بیاں کیا کروں میں یار
مفلس کو اس جگہ بھی چباتی ہے مفلسی

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر
دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر
جسطرح کتے لڑتے ہیں اک استخواں پہ
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ
مفلس کرے ہے اسکے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ
کہتے ہیں جسکو شرم و حیا ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اٹھاتی ہے مفلسی

یاں پاؤں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گزران کر
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

غفلت کی یہ جا گہ نہیں یاں صاحب ادراک رہ
دلشاد رکھ دلشاد رہ غمناک رکھ غمناک رہ
ہر حال میں تو بھی نظیر اب ہر قدم کی خاک رہ
یہ وہ مکاں ہے او میاں یاں پاک رکھ بیباک رہ
کُلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی ۔۔۔ کس کس طرح سے اسکو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی ۔۔۔ بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی
یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

کہئے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شان ۔۔۔ تعظیم جسکی کرتے ہیں نوّاب اور خاں

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

کرجک جو کچھ کرنا ہو یاں یہ دم تو کوئی آن ہے
نقصان میں نقصان ہے احسان میں احسان ہے
تہمت میں یاں تہمت لگے طوفان میں طوفان ہے
رحمان کو رحمان ہے شیطان کو شیطان ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزہ موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی جو دے موتی ملیں پتھر میں پتھر دیکھ لے
گر تجھکو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر
تیرا بھی نقصاں ہووے گا اس بات پر تو دھیان کر
کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیئے تو چھان کر

کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جو سے جو چانول سے چانول پاویگا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا وہ کل واں پاوے گا
کل دیوے گا کل پاوے گا کلپا دیگا کلپاوے گا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

جو چاہے لے چل اس گھڑی سب جنس یاں تیار ہے
آرام میں آرام ہے آزار میں آزار ہے
دنیا نہ جان اس کو میاں دریا کی یہ منجدھار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

تو اور کی تعریف کر تجھ کو ثنا خوانی ملے
کر مشکل آساں اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھ کو بھی مہمانی ملے
روٹی کھلا روٹی ملے پانی پلا پانی ملے

کانٹا کسی کے مت لگا گر مثل گل پھولا ہے تو
وہ تیرے حق میں زہر ہے کس بات پر پھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو پھر گھانس کا پولا ہے تو
سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر پھولا ہے تو
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

شوخی شرارت مکروفن سب کا بسیکھا ہے یہاں
جو جو دکھایا اور کو وہ آپ دیکھا ہے یہاں
کھوٹی کھری جو کچھ کہ ہے تس کا پرکھا ہے یہاں
جو جو پڑا تلتا ہے دل تل تل کا لیکھا ہے یہاں
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

جو اور کی بستی رکھے اس کا بھی بستا ہے پُرا
جو اور کے مارے چھری اس کے بھی لگتا ہے چھرا
جو اور کی توڑے گھڑی اسکا بھی ٹوٹے ہے گھڑا
جو اور کی چیتے بدی اس کا بھی ہوتا ہے بُرا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے

حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مرد و زن طفل و جواں خرد و کلاں پیر و فقیر
جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا شاہ و وزیر
سب کے دل ہوتے ہیں پھندے میں خوشامد کے اسیر
تو بھی ؟ اللہ بڑی بات یہ کہتا ہے نظیر
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(۱۶)

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی سات لے
نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

بی بی کہتی ہے میاں آ ترے صدقے جاؤں
ساس بولیں کہیں مت جا ترے صدقے جاؤں
خالہ کہتی ہے کہ کچھ کھا ترے صدقے جاؤں
سالی کہتی ہے کہ بھیّا ترے صدقے جاؤں
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حق تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
آ پڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اُسے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُلفت کے خریدار اُسے
آشنا ملتے ہیں اور چاہے ہیں سب یار اُسے
اپنے بیگانے غرض کرتے ہیں سب پیار اُسے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حق تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
روکھی اور روغنی آبی کی خوشامد کیجے
نان بائی و کبابی کی خوشامد کیجے
ساقی و جام شرابی کی خوشامد کیجے
پارسا رند خرابی کی خوشامد کیجے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

واہیں خوش ہوگیا کرتے ہی وہ ہاتھوں پہ نگاہ
غور سے ہم نے جو اس بات کو دیکھا واللہ
کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے اللہ اللہ
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی جنکا خوشامد کا مزاج
جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکان ملک و راج
کیا ہی تاثیر کی اس نسخہ نے پائی ہے رواج
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے
غیر کیا اپنے ہی گھر بیچ یہ سکھ دیتی ہے
ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا لیتی ہے
نانی دادی بھی خوشامد سے دعا دیتی ہے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

بھائی فرزند بھی خوش باپ چچا راضی ہے
شاہ مسرور، غنی شاد، گدا راضی ہے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجئے
اور نہ ہو کام تو اس ڈھب کی خوشامد کیجئے
اولیا انبیا اور رب کی خوشامد کیجئے
اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجئے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
چار دن جس کو خوشامد سے کیا جھک کے سلام
وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام ہیں کام
بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام
خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
پیار سے جوڑ دے جسکی طرف ہاتھ جو آہ

گھر بار روپے اور پیسے میں مت دل کو تم خرسند کرو
یا گور بنا و جنگل میں یا جمنا پر آنند کرو
موت آن لتاڑے گی آخر کچھ مکر کرو کچھ پھند کرو
بس خوب تماشہ دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اونٹ کرایہ کا یارو صندوق جنازہ ارتھی ہے
جب اس پر ہوا سوار چلے پھر گھوڑا ہے نے ہستی ہے
کس نیند پڑے تم سوتے ہو یہ بوجھ تمہارا بھاری ہے
کچھ دیر نہیں اب آہ فقط ہیں تیار کھڑی سواری ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دل خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے
آدمی جن و پری بھوت بلا راضی ہے

اور پوپلے منہ سے روٹی کو مت ململ کر ہلکان کرو

اب آپ ہوئے تم پانی سے مت پانی کا نقصان کرو
کچھ لا بجھ نہیں ہے جلنے میں اب مرنے سے پہچان کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گر اچھی کرنی نیک عمل تم دنیا سے لیجاؤ گے
تو گھر بھی اچھا پاؤ گے اور بیٹھ کے سکھ سے کھاؤ گے
اور ایسی دولت چھوڑ کے تم جو خالی ہاتھوں جاؤ گے
پھر تم سے کچھ نہ بن آویگی گھبراؤ گے پچھتاؤ گے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی اور دیکھ اجل سر دھنتی ہے
اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دھن چھوڑو حصہ بجرے کی اور بھاجی اپنی تم باٹو
نا کند بچھڑے کود چکے اب اور دولتی مت چھانٹو
تن سوکھا کبڑی بیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھر دو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اسپ بہت کودا اچھلا اب کوڑا مارو زیر کرو
جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا لاٹ کر بھاگ چکا اب میاں میں تم شمشیر کرو
تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مت دیر کرو
تن سوکھا کبڑی بیٹھ ہوئی گھوڑے پر زیں دھر دو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

سر کانپا چاندی بال ہوئے منہ پھیلا پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیا گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سست ہوا آواز نہیں
جو ہوتی تھی سو ہو گزری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں
تن سوکھا کبڑی بیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھر دو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
یوں پاؤں گھسٹ کر چلنے سے مت رستے کو حیران کرو

بٹ مار اجل کا آپہونچا ٹک اس کو دیکھ ڈرو بابا
اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آہیں سرد بھرو بابا
دل ہاتھ اٹھا اس جینے سے بے بس من مار مرو بابا
جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اب جینے کو تم رخصت دو اور مرنے کو مہمان کرو
خیرات کرو احسان کرو یا پن کرو یا دان کرو
یا پوری لڈو منگوا کر یا خاصہ حلوا نان کرو
کچھ لطف نہیں اب جینے کا اب چلنے کا سامان کرو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دل کو توڑو اپنا جینے سے اب اور گلے کو مت کاٹو
اب چاٹ فنا کی ٹک چکھو اور خون کسی کا مت چاٹو

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں پیے جام سبو کے — ویسے ہی بڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے
جب آکے گلے لگتے تھے محبوب بھبھو کے — اب کہئے تو بڑھیا بھی کوئی منہ پہ نہ تھوکے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یہ ہونٹ جو اب پوپلے یارو ہیں ہمارے — ان ہونٹوں نے بوسوں کے بڑے رنگ ہیں مارے
ہوتی تھی جوانی میں تو پریوں کے گذارے — اور اب تو چڑیل آن کے اک لات نہ مارے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کرتے تھے جوانی میں تو سب آپ سے آ چاہ — اور حسن دکھاتے تھے وہ سب آن کے دلخواہ
یہ قہر بڑھاپے نے کیا آہ نظیر آہ — اب کوئی نہیں پوچھتا اللہ ہے اللہ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پھیکی سی پرانی سی لگاوٹ ہے جتاتی
پر تھر ہے وہ ہمکو ذرا خوش نہیں آتی

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر جاویں طوائف ہیں تو لگتی ہیں ستانے
کیا آئے ہو حضرت ہمیں قرآن پڑھانے
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہے نمازوں کے دوگانے
ٹھٹھے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹوں کی بتادے
چلکر کوئی کبڑے کی طرح قد کو جھکادے
ڈاڑھی کے کئے انگلی کو لالے کے نچادے
یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھاوے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بوڑھے ہوئے پر حسن کی چاہت نہیں چھٹتی
آنکھوں سے یہ دیدار کی لذت نہیں چھٹتی
اور دل سے بھی محبوب کی الفت نہیں چھٹتی
سب چھٹ گیا پر دید کی یہ لت نہیں چھٹتی

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اب جتنے ہو معشوق پری یا ور محبوبات
جو ہو سکے کر چاہنے والوں کی مدارات
محبوبو غنیمت ہے جوانی کی یہ اوقات
جب بوڑھے ہوئے پھر تو ہوئے ڈھاک کے دو پات

پنگھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے — تو واں بھی لگی ساتھ یہی خواری گئی ہے
سنتے ہیں کہ کہتی ہوئی پنہاری گئی ہے — لو دیکھو بڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہے جھانولی تالی کا زنانوں میں جو چرچا — گر ان میں کبھی جاویں تو ہے یہ ستم آہا
ڈاڑھی کی جگت بولے کوئی آنکھ کو مٹکا — ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے آ آ مرے دادا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

دریا کے تماشے کو اگر جائیں تو یارو — کہتا ہے ہر اک دیکھ کے جاتے ہو کہاں کو
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بڑھو — کیوں خیر ہے کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر ناچ میں جاویں تو یہ حسرت ہے ستاتی — جو ناچے ہے کافر وہ نہیں ہم سے ملاتی
اور جو کسی طرف جاوے تو آنکھیں ہے لڑاتی — پر ہم کو تو کافر وہ انگوٹھا ہے دکھاتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر نایکہ ان میں کوئی بوڑھی ہے کہاتی — البتہ بڑھاپے پہ وہ ٹک رحم ہے کھاتی

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے ہم بھی جوانی میں بہت عشق کے پورے — وہ کونسے گلرو تھے جو ہم نے نہیں گھورے
اب آکے بڑھاپے نے کیے ایسے ادھورے — پر جھڑ گئے دم اڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یارو الٹ ہم سے گیا ہائے زمانا — جو شوخ کہ تھے اپنی نگاہوں کا نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے دادا کا بہانا — ہنسکر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

خوباں میں اگر جاویں تو ہوتی ہے یہ پھکڑی — کھینچے ہے کوئی ہاتھ کوئی پکڑے ہے لکڑی
پٹے کہیں اور مونچھیں کہیں جاتی ہیں پکڑی — داڑھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بوڑھوں میں اگر جاویں تو لگتا نہیں واں دل — واں کیونکہ لگے دل تو ہے محبوبوں کا مائل
محبوبوں میں جاویں تو وہ سب چھیڑیں ہیں ہل مل — کیا سخت مصیبت کی پڑی آن کے مشکل

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

جو لوگ خوشامد سے بٹھاتے تھے گھڑی بھر ـ چھاتی سے لپٹتے تھے محبت کی جتا لہر
اب آ کے بڑھاپے نے کیا ہائے یہ کچھ قہر ـ اب جن کے جاتے ہیں گتے ہیں انہیں زہر

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جب تلک ایام جوانی کے رہے رنگ ـ محبوب وہ ملتے تھے نہ ہو دیکھ جنہیں ننگ
بیٹھے تھے رندان کے جب تک تھا ہرا رنگ ـ اب کیا ہے جو بیت جھڑ ہوا اور جھڑ گئی سب رنگ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن و یوسف ثانی ـ دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلّوں کی نشانی
مرتے ہیں تو اب منہ میں نہ ڈالے کوئی پانی ـ کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی ہائے جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یاد آتے ہیں ہم کو جو جوانی کے وہ ہنگام ـ اور جام دلارام مزے عیش اور آرام
ان سب میں جو دیکھو تو نہیں اک کا بھی نام ـ کیا ہم پہ ستم کر گئی یہ گردش ایام

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا

گر دل کو کسی شوخ پری کی ہوئی ٹک چاہ — اور ناز نین کرنے لگی اُس وقت وہ اکراہ
جوں باز کہ چڑیا کو کہیں داب لے ناگاہ — مجوا دیئی پیٹ کر وہیں نڈی سے اُدی آہ
اس رُت کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

آیا جو کوئی حسن کا بوٹا سا کوئی جھاڑ — جا شوق سے جھپ پڑتے ہیں مجنوں کے تئیں جھاڑ
انگیا کے تئیں جبر سے کرتی کو لیا پھاڑ — اخلاص کہیں پیار کہیں مار کہیں دُلار
اس رُت کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کیا تجھ سے نظیر اب میں جوانی کی کہوں بات — اس پن میں گزرتی ہے عجب عیش سے اوقات
محبوب پریزاد چلے آتے ہیں دن رات — سیریں ہیں بہاریں ہیں تواضع ہے مدارات
اس رُت کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۱۴) بڑھاپا

کیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا — اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بڑھاپا — ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا

عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

تنتے ہیں اگر اینٹھ کے چلتے ہیں عجب چال　　جو پاؤں کہیں راہ کہیں سیف کہیں ڈھال
کھینچے ہیں کہیں بال کہیں توڑ لیا گال　　چڑھ بیٹھے کہیں ہاتھ کہیں منہ پہ دیا ڈال

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

جاتے ہیں طوائف میں تو واں ہوتے ہیں چاؤ　　کہتی ہے کوئی ان کے لئے پان بنا لاؤ
کوئی کہتی ہے یاں بیٹھو کوئی کہتی ہے یاں آؤ　　ناچے ہے کوئی شوخ بتاتی ہے کوئی بھاؤ

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

ہنس ہنس کے کوئی حسن کا جھمکڑا ہے دکھاتی　　مسّی کوئی سرمہ کوئی کاجل ہے دکھاتی
چتوں کی لگاوٹ کوئی چنچل ہے دکھاتی　　کرتی کوئی انگیا کوئی آنچل ہے دکھاتی

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کہتی ہے کوئی رات مرے پاس نہ آئے　　کہتی ہے کوئی ہم کو بھی خاطر میں نہ لائے
کہتی ہے کوئی گھر کو جو جائے ہمیں کھائے　　کہتی ہے کوئی کس نے تمہیں پان کھلائے

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

الفت ہے کہیں مہر و محبت ہے کہیں چاہ — کرتا ہے کوئی چاہ کوئی دیکھ ہر بار راہ
ساقی ہے صراحی ہے پری زاد ہے ہمراہ — کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں کیا عیش ہے واللہ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

چہرے پہ جوانی کا جو آکر ہے چڑھا نور — رہ جاتی ہیں پریاں بھی غرض اسکے تئیں گھور
چھاتی سے لپٹتی ہے کوئی حسن کی مغرور — گودی میں پڑی لوٹے ہے چنچل سی کوئی حور
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

گر رات کسی پاس رہے عیش میں غلطاں — اور واں سے کسی اور کے ملنے کا ہو دھیاں
گھبرا کے اٹھے جب تو گری پاؤں پہ آں — کہتی ہے ہمیں چھوڑ کے جاتے ہو کہاں جاں
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

رستہ میں نکلتے ہیں تو ہوتی ہیں یہ چاہیں — وہ شوخ کہ ہوں بند جنہیں دیکھ کے راہیں
کھانسے ہے کوئی ہنس کے کوئی بھرتی ہے آہیں — پڑتی ہیں ہر اک جا سے نگاہوں پہ نگاہیں
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی

(۱۲) جوانی

کیا عیش کے رکھتی ہے سب آہنگ جوانی　　کرتی ہے بہاروں کے تئیں دنگ، جوانی
ہر آن پلاتی ہے مے و بھنگ جوانی　　کرتی ہے کہیں صلح کہیں جنگ جوانی
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا　　جو ہر کہیں عاشق، کہیں رسوا، کہیں شیدا
پھندے میں کہیں جی ہے کہیں دل ہے تڑپتا　　مرتے ہیں سسکتے ہیں بلکتے ہیں اہا ہا
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

نے مے کا نہ معجون کے منگوانے کا کچھ غم　　نے دل کے لگانیکا نہ گل کھانیکا کچھ غم
گالی کا نہ آنکھوں کے لڑانے کا کچھ غم　　ہنسنے کا نہ چھاتی سے لپٹ جانیکا کچھ غم
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

لڑتی ہے کہیں آنکھ کہیں دست کہیں سین　　چھوٹا ہے کہیں پیار کسی سے ہیں لگے نین
وعدہ کہیں اقرار کہیں سین کہیں نین　　نے جی کو فراغت نہ آنکھوں کے تئیں چین

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

مرجاوے کوئی تو بھی کچھ ان کا غم نہ کرنا نے جانے کچھ بگڑنا نے جانے کچھ سنورنا
انکی بلا سے گھر میں ہو قید یا کہ گھرنا جس بات پر یہ مچلے پھر وہی کر گزرنا
ماں اوڑھنی کو بابا پگڑی کو بیچ ڈالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوٹتے ہیں گڑ بیر مولی گاجر لے منہ میں گھونٹتے ہیں
بابا کی مونچھ ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں گردوں میں اٹ رہے ہیں خاکوں میں لوٹتے ہیں
کچھ مل گیا سو پی لے کچھ بن گیا تو کھا لے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو ان کو دو سو کھا لیں پھیکا ہو یا سلونا ہیں بادشہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہی ان کو سونا پروا نہ کچھ پلنگ کی نے چاہئے بچھونا
بھونپو کوئی بجا لے پھرکی کوئی نچا لے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشا ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشہ بھی کیا ہے اب تو نظیر میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یا نیک بن کے بیٹھے اچھے لگے کہانے — یا ہو کے بد ہر اک کے دل کو لگے ستانے
آ کر بجے اجل کے جب سر پہ شادیانے — تھے نیک و بد جہاں تک سب لگ گئے ٹھکانے
بہتر ہوا تو پھر کیا بدتر ہوا تو پھر کیا

کیا ہندو اور مسلماں کیا زندہ گبر و کافر — نقاش کیا مصور کیا نثر نویس شاعر
جتنے لطیف ہیں یاں اندم کے ہیں مسافر — رہنا نہیں کسی کو جانا ہے سب کو آخر
وہ یاروں کی خاطریاں گھر ہوا تو پھر کیا

کیا دن تھے یارو وہ بھی تھے جبکہ بھولے بھالے — نکلے تھے دائی لیکر پھرتے کبھی ددا لے
چوٹی کوئی رکھا لے بدھی کوئی پنہا لے — ہنسلی گلے میں ڈالے منت کوئی بڑھا لے
موٹے ہوں یا کہ دبلے گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے — آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے — یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وُوں بھی واہ وا ہے
کچھ کھالے اس طرح سے کچھ اس طرح سے کھالے

حاضر ہوا قضا کا جب آن کر مجاہد
پھر بوریا نہ پڑھتا عابد رہا نہ زاہد
روزہ نماز چلہ اکثر ہوا تو پھر کیا

یا بالکے میں کسی نے کی عیش کامیابی
لوٹا نشے میں آ کر جا کر دل سے بے حجابی
جس دم قضا نے اپنی چمکائی آ کے تابی
پھر مے رہی نہ مینا نے مست نے شرابی
اک دم لبوں پہ مے کا ساغر ہوا تو پھر کیا

حسن و جمال پا کر یا خوبرو کہایا
یا عشق میں کسی نے جی جان کو گھٹایا
آ کر پڑا اس تن پر جس دم اجل کا سایا
دونوں میں پھر کسی کو ڈھونڈا کہیں نہ پایا
عاشق ہوا تو پھر کیا دلبر ہوا تو پھر کیا

یا ہو کے پیرزادے کرنے لگے فقیری
گر کر مرید کتنے کی انکی دستگیری
جب پیرہن کی کفنی آ کر اجل نے چیری
سب اڑ گئی ہوا پر دم میں یہ دی پیری
مرشد فقیر ہادی رہبر ہوا تو پھر کیا

یا سر منڈا کے بیٹھے آزاد ہو نویلے
یا خود منڈے سے کہا کر سو روپے ٹکے کھیلے
میلے کچیلے ہزاروں مونڈے فقیر چیلے
جب آ فنا پکاری جا سو رہے اکیلے
تکیہ ہوا تو پھر کیا بستر ہوا تو پھر کیا

جوگی اتیت جنگم یا سیورا کہایا
یا ٹھول کر جٹا کو یا گھونٹ سر منڈایا
ترسول لے قضا کا جب وقت سر پہ آیا
نے بالکے کو تھا نہ آپ کو بچایا
نانک کبیر پنتھی پھر ہوا تو پھر کیا

خود و سلاح جلتہ بکتر ہوا تو پھر کیا

یا خانہ جنگی لڑ کر کھایا بدن میں ٹانکا　　موچھوں کو تاؤ دیکر سو بوت وات بانکا

جب گھور کر قضا کے بانکے نے آکے تانکا　　ٹیڑھا رہا نہ ترچھا گنڈا رہا نہ بانکا

تیغا سپر قرابیں جمدھر ہوا تو پھر کیا

یا ہو حکیم حاذق کرنے لگے طبابت　　مُردوں کے تئیں جلایا عیسیٰ کی کی کرامت

کھوئے مرض ہزاروں ہوئی ہر اک کی راحت　　جب سر پہ آئی اپنے پھر کچھ چلی نہ حکمت

لقمان یا فلاطوں آکر ہوا تو پھر کیا

یا ہو نجومی کامل تاروں کو چھان ڈالا　　سورج گہن بچارے چندر گہن نکالا

برج و ستارے باندھے احکام کو سنبھالا　　جب وقت اپنا آیا اُسوقت کو نہ ٹالا

جوتش نجوم پنڈت پڑھ کر ہوا تو پھر کیا

یا پڑھ کے دو کتابیں اور کر کے علم حاصل　　یا بھوت جن اُتارے مشہور ہو کے عامل

جب دیو کا اجل کے سایا ہوا مقابل　　ملا رہا نہ سیانا عالم رہا نہ فاضل

تعویذ فال جادو منتر ہوا تو پھر کیا

ماتھے پہ کھینچ ٹیکا یا ہاتھ لے کے مالا　　پوتھی بغل میں دابی زنار کو سنبھالا

پوجا کتھا بکھانی کیا کیا سبد نکالا　　کچھ بن سکا نہ آیا جب جان لینے والا

وید و پُران پڑھ کر مصر ہوا تو پھر کیا

یا زہد بندگی میں سوکھا ہو کوئی عابد　　بیٹھا مصلوں اوپر ہو مسجدوں میں ساجد

یا لے قضا کی خدمت ہو بیٹھے آپ قاضی
محضر قبالہ لکھے قضیے چکائے شرعی
اعلام لے قضا کا جب آ قضا پکاری
پھر کچھ سکے نہ جھگڑا قاضی رہا نہ مفتی
کوزہ کیسہ دیدہ درّہ در پر ہوا تو پھر کیا

کتوالی بن کے بیٹھا یا ہو کے صدر مقرر
یا سو ڈر سے ہزاروں اور چور کانپے تھر تھر
آیا قضا کا مردہ جس دم چپیڑ دی اٹھا کر
کتوالی اور صدارت سب ہو گئی برابر
دو دن کا خوف خطرہ گر در ہوا تو پھر کیا

کہتے تھے کتنے ہم تو ہیں ذات کے کلاں جی
ہم شیخ ہیں مغل ہیں یا ہم ہیں پٹھان یا جی
جس دم قضا پکاری اب اٹھ چلو میاں جی
پھر شیخ جی نہ سید مرزا رہے نہ خاں جی
ذات و حسب نسب کا جوہر ہوا تو پھر کیا

یا لے کے زر جہاں میں کرنے لگے تجارت
یا سیٹھ بن کے بیٹھے خاصی بنا عمارت
کھولیں قضا نے نہیاں جب کر کے آ کے غارت
سب کوٹھی اور دکانیں کر ڈالیں دم میں غارت
مال و مکاں جواہر اور زر ہوا تو پھر کیا

یا ہو سپاہی بانکا ترچھا بڑا کہایا
بلدار باندھ چیرا طرہ کو جگمگایا
کھیتوں میں جا کے گھوڑا لاکھوں کے بیچ بھڑایا
جب منہ اجل کا دیکھا پھر کچھ بھی بن نہ آیا
یکتا شجاع بہادر صفدر ہوا تو پھر کیا

گھوڑا اٹھا کے ڈوبا فوجوں میں جی دلاور
مارے ہیں تیغ بھالے کھائے کٹار جمدھر
مارا قضا نے بھالا جس دم فنا کا آ کر
پھر مردمی شجاعت سب ہو گئی برابر

جب راج نے قضا کے کرفی بسول تھا کی — اک اینٹ بھی نہ پائی ہرگز کسی مکاں کی
رنگیں محل سنہر اگھر در ہوا تو پھر کیا

کتنوں نے بادشاہی کیا کیا خطاب پایا — مہریں بڑی کھدائیں سکہ بڑا بنایا
جب آن کر قضا نے نام و نشاں مٹایا — وہ نام اور وہ سکہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا
دو دن کا مہر چھاپا در پہ ہوا تو پھر کیا

جاگیر میں کسی نے زر ریز ملک پایا — کر بندو بست اپنا نظم و نسق بٹھایا
یسکر سند اجل کا جب فوجدار آیا — اک دن میں حکم حاصل سب ہو گیا پرایا
ہانسی حصار ٹھٹھا بھکر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی یہ لشکر ہے طرہ باز خاں کا — یہ خیمہ شامیانہ ہے شہنواز خاں کا
آیا تنک اجل کے جب یکہ تاز خاں کا — سر بھی کہیں نہ پایا پھر سرفراز خاں کا
سردار میر بخشی بڑھ کر ہوا تو پھر کیا

ہاتی پہ چڑھ کے نکلے یا خاصہ گھوڑے اوپر — یا نالکی سنبھالی یا پالکی کی جھالر
یا سے صراحی حقہ دوڑے جلیب اندر — جب آ اجل پکاری صاحب رہا نہ نوکر
آقا ہوا تو پھر کیا نوکر ہوا تو پھر کیا

یا لے کے اک قلمدان اور رکھ قلم کو سر پر — جوڑے حساب لاکھوں جہر لکھے سراسر
جب عمر کی کچہری جا لگی قضا نے آکر — پھر آپ نے قلمداں کا غذ رہا نہ دفتر
منشی وکیل دیواں مرمر ہوا تو پھر کیا

دارا و جم سکندر اکبر ہوا تو پھر کیا

یا ذات میں کہائے نامی اصیل واتی　　جمشید ثر سے پوتے نوشیرواں کے ناتی
تھے آپ مثل دولہا اور فوج تھی براتی　　جب چل بسے تو کوئی پھر سنگ تھا نہ ساتی

ملک و مکاں خزانہ لشکر ہوا تو پھر کیا

یا راج بنسی ہو کر دنیا میں راج پایا　　چتوڑ گڑھ ستارا کالنجر آ بنایا
جب توپ نے اجل کی آ مورچہ لگایا　　سب اڑ گئے ہوا پر کوئی نہ کام آیا

گڑھ کوٹ توپ گولہ سنگر ہوا تو پھر کیا

کتنے دنوں یہ غل تھا نواب ہیں یہ خاں ہیں　　یہ ابن پنجہزاری یہ عالی خانداں ہیں
جاگیر و مال و منصب سب آج انکے ہاں ہیں　　دیکھا تو اک گھڑی میں نے نام نے نشاں ہیں

دو دن کا شور چرچا گھر گھر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی دیکھو یہ ہیں امیر خاں جی　　اور یہ ہیں خانخاناں اور یہ شمشیر خاں جی
پنجہ اٹھا قضا کا جب آ کے شیر خاں جی　　پھر کسکے میر خاں جی کسکے وزیر خاں جی

عمدہ غنی تونگر با زر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی گھوڑا ہے نامدار خاں کا　　یہ پالکی یہ ہاتھی ہے ذوالفقار خاں کا
آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا　　خبر بھی کہیں نہ پایا پھر شہسوار خاں کا

جہاں میں گھر ڈنبر در یہ ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی یہ ڈیوڑھی ہے خان مہرباں کی　　یہ باغ یہ حویلی ہے مخلدار خاں کی

پنچھی اس کی یاد کریں ہم پاؤں پسارے سوتے ہیں
سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چونچوں چونچوں کرتی ہیں
چونچوں چونچوں چونچوں کیا سب ہیچوں ہیچوں کرتی ہیں

کس کس کا لوں نام غرض ہیں جتنے طائر خورد و کبیر
کوئی کہے یا حیّ توانا کوئی کہے یا ربّ قدیر
پنکھی تو سب یاد کریں اور ہم غفلت میں ہیں اسیر
ہم سا غافل دنیا میں اب کوئی نہ ہوگا آہ نظیر
سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چونچوں چونچوں کرتی ہیں
چونچوں چونچوں چونچوں کیا سب ہیچوں ہیچوں کرتی ہیں

(۱۰) فنا نامہ

گر شاہ سر پہ رکھ کر افسر ہوا تو پھر کیا
اور بحر سلطنت کا گوہر ہوا تو پھر کیا
ماہی علم مراتب پر زر ہوا تو پھر کیا
نوبت نشان نقارہ در پہ ہوا تو پھر کیا
سب ملک سب جہان کا سرور ہوا تو پھر کیا

یا رکھ کے فوج لشکر کی سلطنت بناہی
پھیری دہائی اپنی لے ماہ تا بہ ماہی
جب آن کر فنا کی سر پر پڑی تباہی
پھر سر رہا نہ لشکر نے تاج بادشاہی

سانجھ سویرے چڑیاں ملکر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب چوں چوں کرتی ہیں

قمری بولے حق سرہٗ بلبل بولے بسم اللہ
ٹبک تیتری چاروں قل اور تیتر بھی سبحان اللہ
دادر مور پپیہے کوئل کوک رہی اللہ اللہ
فاختہ کوکو تیھو ہو ہو ملوسٹے بولیں حق اللہ

سانجھ سویرے چڑیاں ملکر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب چوں چوں کرتی ہیں

ہُدہُد چینڈا اور سبزک ابابیل اور چکوریں شام سحر ہی
کھنجن چھپاں لوسے کالنگ اور غوغائی کی دھوم پڑی
تلیر ٹڈی ڈانس جھینجھیری کتری بھونری اور ریڑی
مکھی مچھر پیسو بھنگے بول رہے سب گھڑی گھڑی

سانجھ سویرے چڑیاں ملکر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب چوں چوں کرتی ہیں

تن تن اور لم ڈھینک ممولا حق حق تار پروتے ہیں
اگن بئے چنڈول ابلقے یاد میں اسکی روتے ہیں
طائر تو سب تخم محبت اس کا دل میں بوتے ہیں

ادنی ہو یا غریب تونگر ہو یا فقیر یا بادشاہ شہر کا یا ملک کا وزیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دلپذیر جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیرا
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

(۹) ذکر رب

وقت سحر کی ر جیں کیا کیا ہوں ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں
ہوں ہوں ہوں ہوں کر کر ذکر رکن ہیکوں کرتی ہیں
مرغے بولے ککڑوں کوں اور مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اس کی بھتوں بھتوں کرتی ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں ملکر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سبحوں سبحوں کرتی ہیں
پنکھ ہوا گر پنکھ اسی کے غم کی تپ میں تپتے ہیں
عنقا اور سیمرغ اسی کی فرقت بیچ تڑپتے ہیں
سارس گدھ حواصل ہڑے بگلے پنکھ سے کانپتے ہیں
پنکھ پکھیرو جتنے ہیں سب نام اسی کا جپتے ہیں

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تندرستیوں کی رہیں دل میں بستیاں
پھر سو طرح کے عیش ہیں اور مے پرستیاں

کھانے کو نعمتیں ہوں نہ کچھ ہوں فاقہ مستیاں
سب عیش اور مزے ہیں یہ جب ہوں تندرستیاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

چاہا جو دل نشہ کو تو ڈھیروں منگا لیا
محبوب دلبروں کو گلے سے لگا لیا

آیا جو عیش دل میں خوشی سے اڑا لیا
جو مل گیا سو پی لیا چاہا سو کھا لیا

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

آیا جو دل میں سیر چمن کو چلے گئے
بازار چوک سیر تماشے میں خوش ہوئے

بیٹھے اٹھے خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے
جاگے مزے میں رات کو یا خوش ہو سو رہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل
جب تک یہ کل بنی ہے جبھی تک چلے ہے کل

گر ہو خدا نخواستہ اک کل بھی چل بچل
پھر نے خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا پھل

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں　　ہو تندرستی اور ملے حرمت سے آب و نان
قسمت سے جب یہ دونوں میسر ہوں پھر تو ہاں　　پھر ایسی اور کونسی نعمت ہے میری جاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

پرواہ نہیں اگرچہ لکھا پڑھا نہ ہو　　محتاج حق سوا یہ کسی اور کا نہ ہو
حسن و جمال علم و ہنر گو ملا نہ ہو　　اک تندرستی چاہئے کچھ ہو وے یا نہ ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بیمار گرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ　　تو اسکو جانئے یہ گدا سے بھی ہے تباہ
ہم تو اسی کو شاہ کہیں اور جہاں پناہ　　اب جس کا تن درست ہو حرمت سے ہو نباہ

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست۔

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے کنے　　اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے
بہتر ہیں مفلسی کے یہاں چابنے چنے　　جو تندرست ہیں وہی دولہا ہیں اور بنے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست

رہتا نہیں کسی کا سدا مال دھن درست — دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

دنیا میں اب انہوں کو سبھی کہئے بادشاہ — جن کے بدن درست ہیں وہ ان کا ہے حال واہ
جس پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ — ایسی پھر اور کون سی دولت ہے واہ واہ

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اپنے میری و حشمت پناہی ہے — بن تندرستی سب وہ خرابی تباہی ہے
یہ تندرستی یارو بڑی بادشاہی ہے — سچ پوچھئے تو عین یہ فضل الٰہی ہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

گر دولتوں سے اسکا بھرا ہے تمام گھر — بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر
ہو تندرست گرچہ یہ مفلس ہے سربسر — پھر نے کسی کا خوف نہ ہرگز کسی کا ڈر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تندرست ہو — بے زر ہو یا امیر ہو پر تندرست ہو
قیدی ہو یا اسیر ہو پر تندرست ہو — مفلس ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو

پہلو میں ایک برج ہے بسی کہتے ہیں اُسے — آتے نظر ہیں اس سے مکاں دور دور کے
مسجد ہے ایسی جس کی صفت کس سے ہو سکے — پھر اور بھی مکان ہیں اِدھر اور اُدھر کھڑے

دروازۂ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دلکشا — آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا — ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھومتا

کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن — کو کو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن — گلنار لالۂ وگل ونسرین ونسترن

فوارے چھٹ رہے ہیں رواں جو بار ہے

وہ تاجدار شاہجہاں صاحب سریر — بنوایا ہے انہوں نے لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اس کے یہ ہوتا ہے دلپذیر — تعریف اِس مکان کی ہیں کیا کیا کروں نظیرؔ

اِس کی صفت تو مشتہر روزگار ہے

(۸)

ہیں مرد اب وہی کہ جنہوں کا ہے فن درست — حرمت انہوں کی واسطے جن کا چلن درست

خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے
روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے
نقشہ میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں بنا
پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں
ایسا چمک رہا ہے تجلی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اس کا زور بلندی سے بہرہ مند
گرد اس کے گمٹیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سر بلند
ایسا ہلال اس پہ سنہرا ہے دل پسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس
وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تلک اس میں رہیے تو ہووے نہ جی اداس
آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں
گرد ان کے جالی اور مجمر ہے درفشاں
سنگین گل جو ان میں بنائے ہیں بے نشاں
سب تے کلی سہاگ کے گل و رنگ سے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ میں نازک عجب نگار
آئینے بھی لگے ہیں مجلی و تابدار
دروازے پر لکھا ہے خط طغرا طرفہ کار
ہر گوشہ پر کھڑے ہیں جو مینار اس کے چار
چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دوچار ہے

پھر پر میں کسی کے نہ رہا قوت دیارا

پر اُن کے ہوئے تر جو ہیں اودی کی ہوا میں — روئے کہ رفاقت کی کریں کیونکہ نہ مجبوں
تھک تھک کے لگے گرنے تو کرنے لگے افسوس — کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اڑا کوس
کوئی آٹھ کوئی نو کوئی دس کوس میں ہارا

کچھ بن نہ سکے اُن سے رفیقی کے جو واں کا — اور راستے اڑے ساتھ کہ کچھ ہووے نہ اظہار
جب دیکھی وہ مشکل تو پھر آخر کے تئیں ہار — کوئی یاں رہا کوئی واں رکوئی ہو گیا ناچار
کوئی اور اُڑ آگے جو تھا سب میں کرارا

تھی اسکی محبت کی جو ہر ایک نے پی مے — سمجھے تھے بہت لیں وہ الفت کی بڑی شے
جب ہو گئے بے بس تو پھر آخر یہ ہوئی رے — چیلیں رہیں کوے گرے اور باز بھی تھک کے
اس پہلی ہی منزل میں گیا سب بے کنارا

دنیا کی جو الفت ہے تو اسکی ہے یہ کچھ راہ — جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیونکہ ہو نرباہ
ناچاری ہو جس جا میں تو واں کیجئے کیا چاہ — سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظیر آہ
آخر کے تئیں عنقا اکیلا ہی سدھارا

(۷) روضۂ تاج گنج

مارو یہ تاج گنج جو یاں آشکار ہے — مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے

یاں لطف و کرم تم نے کئے ہم پہ ہیں جو جو   تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہم سے بیاں ہو
تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہووے تو بخشو   لو یارو اب ہم جاوینگے کل اپنے وطن کو
اب تم کو مبارک رہے یہ پیڑ تمہارا

اب تک تو بہت ہم رہے فرحت سے ہم آغوش   اب یاد وطن دل کی ہمارے ہے ہوئی ہم دوش
جب حرف جدائی کا پرندوں نے کیا گوش   اس بات کے سنتے ہی جو ہر ایک کے اڑ گئے ہوش
سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا

بن دیکھے تمہارے ہمیں کب چین پڑیں گے   اک آن نہ دیکھیں گے تو دل غم سے بھریں گے
گر تم نے یہ ٹھہرائی تو کیا سکھ سے رہیں گے   ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمہارے ہی چلیں گے
یہ درد تو اب ہم سے نہ جاوے گا سہارا

پھر ہنس نے یہ بات کہی ان سے کئی بار   کچھ بس نہیں اب چلنے کی ساعت ہے ہمیں ناچار
آنکھیں ہیں ہوئیں اشکوں سے پرندوں کی گہربار   اس میں جو شب ہجر کی ہوئی صبح نمودار
پر اپنا ہوا پر وہیں اس ہنس نے مارا

وہ ہنس جب اس پیڑ سے واں اٹھ چلا ناگاہ   منہ پھیر کے ادھر سے وطن کی جو ہیں لی راہ
دیکھا جو اسے جاتے ہوئے واں سے تو کر آہ   سب ساتھ ہی چلے اس کے وہ ہمراز و ہمراہ
ہر ایک نے اڑنے کے لئے پنکھ پسارا

اور ہنس کی واں سب کو رفاقت ہوئی غالب   جب واں سے چلا وہ تو ہوئی بے کسی غالب
کلفت تھی جو فرقت کی وہ سب پر ہوئی غالب   دو کوس اڑے تھے جو ہوئی ماندگی غالب

سارس بھی جو اصل ہی ہوائے کے موافق　　بازو لگڑ و جرہ و شاہیں ہوئے عاشق
شکروں نے بھی شکرے سے کیا اس کا مدارا

کچھ سبزک و بڑ نکے، و کچھ ڈھنڈ ور ترے　　پنڈخی سے لگا ٹوٹرو قمری و ہریوے
غوغائی بگیری و لٹورے و پپیہے　　کچھ لال چڑے پودنے بیّے ہی نہ بخش تھے
پدڑی بھی سمجھتی تھی اسے آنکھ کا تارا

چاہت کے گرفتار بٹیریں ہوئے تیتر　　کبکوں کے تدروں کے بھی چاہت میں بندھے پر
ہدہد بھی ہوئے ہٹ کے ڈھیپا ادھر ادھر　　زاغ و زغن و طوطی و طاؤس کبوتر
سب کرنے لگے اسکی محبت کا اشارا

شکل اسکی وہیں جی میں کبھی شام چڑی کے　　دی چاہ جتا پھر اسی جا پدنے بھی جھپٹے
ہریل بھی ہوئے اسکی ہری چاہنے والے　　جتنے غرض اس پیڑ پہ رہتے تھے پرندے
اس ہنس پہ ان سب نے دل و جان کو وارا

خواہش یہ ہوئی سب کی کہ ہر دم اسے دیکھیں　　اور اسکی محبت سے ذرا منہ کو نہ پھیریں
دن رات اسے خوش کھینٹ سکھ اسے دیویں　　صحبت جو ہوئی ہنس کی ان جانوروں میں
یک چند رہا خوب محبت کا گزارا

سب ہو کے خوش اسکی مئے الفت لگے پینے　　اور پیت سے ہر ایک نے واں بھر لیے سینے
ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے　　اس ہنس کو جب ہوگئے دو چار مہینے
اک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ پکارا

چلا کر غلام آدمی اور آدمی مزور — یاں تک کہ آدمی ہی اٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جس نے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

طبلے مجیرے دائرے سارنگیاں بجا — گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بجا
رنڈی بھی آدمی ہی نچاتے ہیں گت لگا — وہ آدمی ہی ناچے ہیں اور دیکھو یہ مزا
جو ناچ دیکھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل جواہر ہیں بے بہا — اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ الٹا ہے جوں توا — گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بد شکل و بد نما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جنکی یہ کچھ زرق برق ہیں — روپے کے انکے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بشرق ہیں — کمخواب تاش شال دو شالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک ایسے ہیں کہ جنکے بچھے ہیں نئے پلنگ — پھولوں کی سیج انپہ جھمکتی ہے تازہ رنگ
سوتے ہیں لپٹے چھاتی سے معشوق شوخ و شنگ — سو سو طرح سے عیش کے کرتے ہیں رنگ ڈھنگ
اور خاک میں پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار — نہلا دھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار — سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

جوان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی — اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی — چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال — اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال — سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ — قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ — دوڑے ہیں آدمی ہی مشعالیں جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار — اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار — کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑتے کہار
اور اس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا — اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا — کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور — اور آدمی ہی دیکھ انہیں بھاگتے ہیں دور

(۵)

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی — اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بینوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی — نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے — منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے — حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا — شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا — یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور — یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور — شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں — بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآں اور نمازیاں — اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں

ٹھیرا ہے کوئی چور لگاتا ہے کوئی تھانگ — ملتا ہے کوئی پوست کو چھانے ہے کوئی بھانگ
گھنٹا ہے کہیں جھانجھ کہیں سنکھ کہیں بانگ — جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ سب سانگ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ناری کوئی بادی کوئی خاکی کوئی آبی — صوفی کوئی زاہد کوئی بدمست شرابی
باتیں کوئی بیٹھا ہوا کرتا ہے کتابی — پیتا ہے کوئی کیف کوئی مے کی گلابی
مارے ہے زٹل کوئی کہیں جیب ہے دابی — سچا کوئی جھوٹا ہے کوئی زند خرابی
کالا کوئی گورا کوئی پیلا کوئی آبی — ہیں اسکی ہی قدرت کے یہ سب لعل گلابی

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

کیا حسن کہیں پایا ہے اللہ ہی اللہ — کیا عشق کہیں چھایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا رنگ یہ رنگوایا ہے اللہ ہی اللہ — کیا نور یہ جھمکایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا دھوپ ہے کیا سایہ ہے اللہ ہی اللہ — کیا مہر ہے کیا مایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھیرایا ہے اللہ ہی اللہ — کیا بھید نظر آیا ہے اللہ ہی اللہ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

زخمی کوئی ماندہ کوئی اچھا کوئی بدکار — جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب اسرار

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہے کوئی ولی دوست کوئی جان کا دشمن — بیٹھا ہے پہاڑوں میں کوئی پھرتا ہے بن بن
مالا کوئی جپتا ہے کوئی شوق میں سمرن — چھوڑے ہے کوئی مال سمیٹے ہے کوئی دھن
نکلے ہے جواہر کی کوئی پہن کے ابرن — لوٹے ہے کوئی خاک میں رو رو کے برات
جوگی کوئی بھوگی کوئی سوگی کوئی سوگن — جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب یہ فن

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

سردی کہیں گرمی کہیں جاڑا کہیں برسات — دوزخ کہیں بیکنٹھ کہیں ارض و سماوات
حوریں کہیں غلماں کہیں پریاں کہیں جنات — اوجڑ کہیں بستی کہیں جنگل کہیں دیوات
سختی کہیں راحت کہیں گردش کہیں سکنات — شادی کہیں ماتم کہیں نور اور کہیں ظلمات
تارے کہیں سورج کہیں برج اور کہیں ذرات — جب غور سے دیکھا تو سب اُسی کے ہیں طلسمات

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

بیچے ہے جواہر کوئی زر سیم طلا تنگ — مارے کوئی پارے کو بناوے کوئی مرگانگ
دیتا ہے کوئی ہاتھ سے لیتا ہے کوئی مانگ — محتاج کوئی قوت کا رکھتا ہے کوئی دانگ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

پھل پات کہیں شاخ کہیں پھول کہیں بیل
نرگس کہیں سوسن کہیں ملا کہیں رابیل
آزاد کوئی سب سے کسی کا ہے کہیں میل
ملتا ہے کوئی راکھ چنبیلی کا کوئی تیل
کرتا ہے کوئی ظلم کو لیتا ہے کوئی جھیل
باندھے ہے کہیں تلوار اٹھاتا ہے کوئی سیل
ادنیٰ کوئی اعلیٰ کوئی سوکھا کوئی ڈنڈ پیل
جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ سب کھیل

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

گاتا ہے کوئی شوق میں کرتا ہے کوئی حال
پھانکے ہے کوئی خاک اڑاتا ہے کوئی مال
ہنستا ہے کوئی شاد کسی کا ہے برا حال
روتا ہے کوئی ہو کے غم و درد سے پامال
ناچے ہے کوئی شوخ بجاتا ہے کوئی تال
بیٹھے ہے کوئی جیب بھرے اوڑھے ہے کوئی شال
کرتا ہے کوئی ناز دکھاتا ہے کوئی بال
جب غور سے دیکھا تو اسی کی ہے یہ سب چال

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار
کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سماچار
پہنچا ہے کوئی پار بھٹکتا ہے کوئی وار
بیٹھا ہے کوئی عیش میں پھرتا ہے کوئی خوار
عاجز کوئی بیکس کوئی ظالم کوئی لٹھ مار
مفلس کوئی ناچار تونگر کوئی زردار

ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا بندا چیلا نیک چلن
کیا مندر مسجد تال کنواں کیا کھیتی باڑی پھول چمن
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا کوئی گون سیئے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا
اس جنگل میں پھر آہ نظیر اک بھنگا آن نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان ہر باغ میں ہر دشت میں ہر سنگ میں پہچان
بیرنگ میں بارنگ میں نیرنگ میں پہچان منزل میں مقامات میں فرسنگ میں پہچان
نت روم میں اور ہند میں اور زنگ میں پہچان ہر راہ میں ہر ساتھ میں ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم و ارادہ میں ہر آہنگ میں پہچان ہر دھوم میں ہر صلح میں ہر جنگ میں پہچان

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے اِن گونوں بھاری بھاری کے
جب موت لٹیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ زر زیور کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

مغرور نہ ہو تلواروں پر مت پھول بھروسے ڈھالوں کے
سب پٹہ توڑ کے بھاگیں گے منہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
کیا بقچے تاش تمامی کے کیا تختے شال دوشالوں کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

کیا سخت مکان بنواتا ہے کھم تیرے تن کا ہے پولا
تو اونچے کوٹ اٹھاتا ہے واں گور گڑھے نے منہ کھولا
کیا رینی خندق رند بڑے کیا برج کنگورا انمولا
گڑھ کوٹ رہکلہ توپ قلعہ کیا شیشہ دارو اور گولا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن

یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصّوں میں بٹ جاوے گی
دھی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

یہ کھیپ بھرے جو جاتا ہے یہ کھیپ میاں مت گن اپنی
اب کوئی گھڑی پل ساعت میں یہ کھیپ بدن کی ہے کفنی
کیا تھال کٹورے چاندی کے کیا پیتل کی ڈوبیا ڈھکنی
کیا برتن سونے روپے کے کیا مٹی کی ہنڈیا چینی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

یہ دھوم دھڑکا ساتھ لئے کیوں پھرتا ہے جنگل جنگل
اک تنکا ساتھ نہ جاوے گا موجود ہو جب دم آن اجل
گھر بار اٹاری چوپاری، کیا خاصہ نین سکھ اور ململ
کیا چلمن پردے فرش نئے، کیا لال پلنگ اور رنگ محل
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل و زمرد سیم و زر
جب پونجی باٹ میں بکھرے گی پھر آن بنے گی جان اوپر
نوبت نقارے بان نشان، دولت حشمت فوجیں لشکر
کیا مسند تکیہ ملک مکاں کیا چوکی کرسی تخت، چھتر

گر تو ہے لکھی بنجارہ اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقا سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

تو بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبا کام نہ آویگا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈانڈا ہے
زر دام درم کا بھانڈا ہے بندوق سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن کا نکل گیا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے
پھر ہانڈا ہے نے بھانڈا ہے نے حلوا ہے نے مانڈا ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری ڈھل جاویگی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے پاویگی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گر گر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطر
پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں منہ گیا بھر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ اس میں آن اکثر
ہوتے ہیں سینکڑوں کے سر نیچے پاؤں اوپر
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ رت وہ ہے کہ جس میں خورد و کبیر خوش ہیں
ادنیٰ غریب مفلس شاہ و وزیر خوش ہیں
معشوق شاد و خرم عاشق اسیر خوش ہیں
جتنے ہیں اب جہاں میں یا رب نظیرؔ خوش ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

(۴۳)

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گونیں پلا سر بھارا
کیا گیہوں چانول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کتنے بھرے ہیں اوڑھے پانی میں سرخ ٹٹو
جو دیکھو سرخ بدلی ہوتی ہے انپہ لٹو
کتنوں نے گاڑی رنگیں کیں کتنوں نے گھوڑے ٹٹو
جس پاس کچھ نہیں ہے وہ ہم سا ہے نکھٹو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں
ہے انکے سر پہ چھتری ہاتھی پہ جو چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں
ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا
انکو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اڑانا
ہے جنکو اپنے گھر میں یاں لون تیل لانا
ہے سر پہ اُن کے پنکھا یا چھاج ہی پرانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اس رت میں ہیں جہاں تک گلزار بھیگتے ہیں
شہر و دیار و کوچہ بازار بھیگتے ہیں
صحرا و جھاڑ بوٹے کہسار بھیگتے ہیں
عاشق نہا رہے ہیں دلدار بھیگتے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی
مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی
جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں
کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
کتنے اٹھے ہیں مر مر کتنے اُکس رہے ہیں
وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں

بچھو کسی کو کاٹے کیڑا کسی کو گھورے ۔ آنگن میں کنسلائی کونوں میں کنکھجورے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سُہنی ہے ۔ سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے

اور جس پہ سبز جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے ۔ اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی ۔ گلنار یا گلابی یا زرد و سبز دھانی

کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی ۔ جھولوں میں جھولتی ہیں اوپر پڑے ہے پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولتی ہیں جھولے کی ڈور چھوڑے ۔ یا ساتھنوں میں اپنی پاؤں سے پاؤں جوڑے

بادل کھڑے ہیں پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے ۔ بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے شراب پی کر ہو مست چھک رہے ہیں ۔ مے کی گلابی آگے پیالے چھلک رہے ہیں

ہوتا ہے ناچ گھر گھر گھنگرو جھنک رہے ہیں ۔ پڑتا ہے مینہ جھڑا جھڑ طبلے کھڑک رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہیں جنکے تن ملائم میدے کی جیسے لوئی ۔ وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے ہیں اچھی لوئی

اور جنکی مفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی ۔ ہے اُن کے سر پہ سرکی یا بورئے کی کھوئی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو اونچے چھوا کے بنگلے — پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے
کتنے پھرے ہیں باہر خوباں کو اپنے سنگ لے — سیر و تماشا ہو رہے ہیں ہر جا عجیب و غریب رنگلے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا — یا سائباں ستھرا یا بانس کا اسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا — مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گزارا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گر رہی کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے — دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
ڈر ڈر حویلی والا ہر آن رو رہا ہے — مفلس تو جھونپڑے میں دلشاد سو رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مدت سے ہو رہا ہے جنکا مکاں پرانا — اٹھ کے ہے انکو ہفتہ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا — کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دوانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا — گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان ٹپکا — باقی تھا اک اسارا سو وہ بھی آن ٹپکا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں پہ بیر بہوٹی ٹیلوں اوپر دھتورے — پسو سے مچھروں سے روئے کوئی بسورے

جو وصل میں ہیں اُنکے جوڑے مہک رہے ہیں　　جھولوں میں جھولتی ہیں گہنے جھمک رہے ہیں
جو دکھ میں ہیں سو اُنکے سینے بھڑک رہے ہیں　　آہیں نکل رہی ہیں آنسو ٹپک رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بیقراری　　ہر بوند مارتی ہے سینہ اوپر کٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں باری باری　　ہے ہے نہ لی پیا نے اب کے بھی سدھ ہماری

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی اُنکو آواز ہے سناتی　　سُنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے اُمڈی آتی
پی پی کی دُھن کو سنکر بیکل ہیں کہتی جاتی　　مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جنکی سیج سونی اور خالی چارپائی　　رو رو انھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ بھلائی　　اب کے بھی چھاونی جا پردیس میں ہے چھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنے غم سے اب ہے یہ گت بنائی　　میلے کچیلے کپڑے آنکھیں بھی ڈبڈبائی
نے گھر میں جھولا ڈالا نے اوڑھنی رنگائی　　پھوٹا پڑا ہے چولھا ٹوٹی پڑی کڑھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کرکے پھیرا　　مارو جی آج کیجے یاں رین کا بسیرا
ہے خوش کوئی کسی کو ہے درد و غم نے گھیرا　　منہ زرد بال بکھرے اور آنکھوں میں اندھیرا

سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت — تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا — اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا

یہ رنگ سو طرح کا جو صبح شام ہے گا — یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھولوں کی سیج اوپر سوتے ہیں کتنے بن ٹھن — سو ہیں گلابی جوڑے پھولوں کے ہار ابرن

کتنوں کے گھر ہے کھانا سونا لگے ہے آنگن — کونے میں پڑ رہی ہے سر منہ لپیٹ دُکھن

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کوکو — پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو

کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو — سب رٹ رہے ہیں تجھکو کیا پنکھ کیا پکھیرو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہیں اُدھر کے کر شور ناچتے ہیں — پیارے کا نام لیکر کیا زور ناچتے ہیں

بادل ہوا سے گھر گھر گھنگھور ناچتے ہیں — مینڈک اُچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو خوش ہیں وہ خوشی میں کاٹے ہیں رات ساری — جو غم میں ہیں انہوں پر گذرے ہے رات بھاری

سینوں سے لگ رہی ہیں جو ہیں پیا کی پیاری — چھاتی پھٹے ہے انکی جو ہیں برہ کی ماری

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر دریا ڈونڈ رہے ہیں — مور و پپیہے کوئل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے اُمنڈ رہے ہیں — برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ بادل گھمنڈ رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں — گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں — اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگاویں — جھینگر جھنگار اپنی سُرنائیاں بجاویں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا مینہ بلاویں — پی پی کریں پپیہے مینڈک ملار گاویں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے — قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے — بچھوا دئے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی — اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بہ ماہی — یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہے یارب سامان تیری قدرت — بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت

محبوب بنا جس نے تمہیں حسن دیا ہے — اُس نے ہی ہمیں عاشقِ جانباز کیا ہے
ملنا ہے تو مل یو ہی جینے کا مزا ہے — سب ناز و نیاز آہ یہ اک دم کی ہوا ہے
پھر ہجر نہ کچھ وصل کا پیغام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی — آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا کوئی قصہ کہ کہانی — کچھ باقی نظیرؔ اب نہیں سب چیز ہے فانی
خمسہ نہ غزل فرد نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

(۲) برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں — سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں — ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں — جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں — گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں رہے پھول — یہ شاخ یہ غنچہ یہ ہرے پات یہ پھل پھول
آجاوے گی جب باد خزاں انکے اوپر جھول — ہر خار کی ہر پھول کی اُڑ جاوے گی سب ہول
نے زرد نہ سرخ اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

میخوار بھی کتنے ہوئے یاں مے کے ملاقی — ساقی بھی کئی ہو گئے محبوب و تپاقی
لا جام کوئی بھر کے جو ہو اور بھی باقی — فرصت ہے غنیمت کوئی دم کو ارے ساقی
نے مے نہ صراحی نہ ترا جام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ عاشق و معشوق جو کرتے ہیں بہم چاہ — آگے بھی بہت عاشق و معشوق تھے واللہ
وہ لوگ کہاں جاتے رہے اے مرے اللہ — اس بات سے معلوم ہوا اب تو یہی آہ
نے عشق نہ عاشق نہ دلآرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ٹک غور کرو اب ہیں کہاں مجنوں و فرہاد — لیلیٰ کہاں شیریں کہاں وہ ناز و بیداد
جو پھول کھلے واں وہ سب ہو گئے برباد — ہم تم بھی غنیمت ہیں سخن اور یار پریزاد
واں حسن نہ یاں عشق کا ہنگام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

نے رند نہ عابد نہ مے آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جھگڑا نہ کرے ملت و مذہب کا کوئی یاں — جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آں
زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآن — عاشق تو قلندر ہے نہ ہندو نہ مسلمان
کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی ان سے یہ پوچھو — دارا و سکندر وہ گئے آہ کدھر کو
مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ وزیرو — اس دولت و اقبال پہ مت بھولو امیرو
نے ملک نہ دولت نہ سامان بجا رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک چیز کا زردار — آگے بھی دکانیں تھیں کہیں اور کہیں بازار
جس طور کا اب چاہے کر لیجیے بیوپار — پھر جنس نہ دلال نہ مالک نہ خریدار
نے نقد نہ کچھ قرض نہ کچھ دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات — یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات
کیا پست مکاں کیا یہ بڑا دار مکانات — اک اینٹ بھی ڈھونڈھو کہیں آنے کی نہیں ہات
دالان نہ حجرہ نہ در و بام رہے گا

کیا ابر و ہوا کوہ جنگل ارض و سماوات — اِک پھونک میں اُڑ جائینگے جوں نقش طلسمات

ہشیار نہ پختہ نہ کوئی خام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

گر علم و ہنر سے ہے کوئی خلق میں مشہور — یا کشف و کرامات میں ہے صاحب مقدور

یا ایک کا ہے نام و نشاں خلق میں مشہور — اک دم میں پلک رہتے ہو جاوینگے سب دور

مستور نہ مشہور نہ گمنام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مختاری کے خنجر سے جو کرتے ہیں سدا کام — یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کہی دام

جب آکے فنا والے کی اک گردش ایام — اک آن میں اُٹھ جائیگا سب جبر کا الزام

مختار نہ مجبور نہ خودکام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیار — سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں طیار

جب آکے فنا سر کے اوپر مارے ہے لدکار — اک ار کے لگتے ہی یہ ہو جاوینگے سب پار

نے مکر نہ حیلہ نہ کوئی دام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

کرتے ہیں جو اب دل سے ریاضات و عبادات — یا عمر کو کھوتے ہیں بر رندی و خرابات

جب آکے فنا چھوڑے گی شمشیر کا اک ہات — پھر صاف ہے دونوں کی گنہگاری و طاعات

نے خاص نہ دنیا میں کوئی عام رہیگا — نے نہ صاحب مقدور نہ ناکام رہیگا

زردار نہ بے زر نہ بد انجام رہیگا — شادی نہ غم گردش ایام رہیگا

نے عیش نہ دکھ درد نہ آرام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ چرخ جو کہلاتا ہے یہ بڑا گنبد ازرق — یہ چاند یہ سورج یہ ستارے ہیں معلق

لوح و قلم و عرش بریں ثابت مطلق — سب ٹھاٹھ یہ اک آن میں ہے جانیگا ہو حق

آغاز کسی شے کا نہ انجام رہیگا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

لے عالم ارواح سے تا عالم جنات — انسان و پری حور و ملک جن خبیثات

کلامِ نظیر

آخر میں ہم پھر بصد عجز یہی گزارش کرتے ہیں کہ تبصرہ نگاری میں
ہم سے جو لغزشیں ہوئیں ہیں اور کوتاہیاں باقی رہ گئی ہیں آپ انہیں ازراہ
ذرہ نوازی معاف کریں اور اگر اس میں کوئی خوبی نظر آئے تو اسے میاں
نظیر اکبرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف خیال فرمائیں۔

نکلتا ہے ذیل میں نقل کرتے ہیں:-

چہ خوش در رحلتش آورد فکرِ طبعِ تاریخے

نظیر اکبر آبادی چوں از ریں دنیائے ابتر شد

نظامِ نظم باہم درہم و برہم شدہ یکسر

مخمس بے سروپا، بیتِ بیدل فردِ بے سر شد

۱۲ ۳۶ ھ

دوسرا ملاحظہ ہو:-

ہزار حیف ز باطن گذشت او ستادم

کہ بے نظیر جہاں و نظیر علم آموز

دوازدہ چہل و شش بود چوں سنہ ہجری

گذاشت نظم جہاں و جہاں الم آموز

سن وصال طبیعت با انتظام آورد

سر غزل و رباعی و مطلع دو کسوز

۱۲۳۶ ھ

مطالعہ انہیں جہاں جہاں دیکھیں خود سمجھ لیں، کثرت تفصیل بعض اوقات اہل مطالعہ کی بصیرت جدت کا خون کر دیتی ہے کیونکہ جب وہ معمولی معمولی باتوں میں مؤلف کی مدد کے عادی ہو جاتے ہیں تو ان کی قوت دماغی معطل ہو جاتی ہے اور پھر وہ ہر ذرا ذرا سی بات کے لئے بھی مؤلف کے منتظر رہنے لگتے ہیں اور اپنے ذہن پر ذرا زور ڈالنا نہیں چاہتے ۔ اس لئے کثرت تفصیل سے بجائے فائدہ کے بہت کچھ نقصان ہو جاتا ہے پس بہت سی باتوں کو ہم نے صرف حوالہ دیکر پڑھنے والے کے ذہن کی رسائی کے لئے چھوڑ دیا ہے تاکہ مبتدیوں کے ذوق کی ورزش ہو اور انہیں ادبیات میں کچھ بصیرت پیدا ہو جائے ۔

یہاں ایک بات قابل اطلاع اور ہے وہ یہ کہ جہاں جہاں ہم نے موقع دیکھا اور مناسب بھی سمجھا وہاں نظموں میں کسی قدر اختصار کر دیا ہے ۔ زیادہ تر نظمیں تو پوری ہیں، لیکن جو بہت طویل تھیں یا جن میں بعض مقامات غیر سنجیدہ تھے، اُن میں سے وہ حصے نکال دئے گئے ہیں ۔

اب ہم ذیل میں دو قطعات تاریخ بہلا نظیر کے صاحبزادے خلیفہ **گلزار علی اسیر** کا اور دوسرا حکیم **قطب الدین خاں باطن** ان کے شاگرد رشید کا جن سے یہاں نظیر کا سن وفات

سبزوں کو جن کے دیکھ کے حیراں ہو آسماں

نظیر نے اپنے شہر میں جو جو خوبیاں دیکھیں وہ آپ کے سامنے، دیکھئے کس خوبی سے بیان کی ہیں، اس نظم کی صفائی زبان، اور لطائف شعری کی تعریف نہیں ہو سکتی، سادگی و شیرینی میں ادب القدما کی ہم پلہ ہے، یہ نظم شروع بھی نظیر نے دعا کے ساتھ کی تھی اور آخر میں دعا ہی پر ختم بھی کرتے ہیں ؛۔

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام — ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے اژدہام
ہر طور خوش رہے دل اور طبع شاد کام — میری نظیر دل سے یہی ہے دعا مدام

ہنستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

تبصرہ میں آپ نے دیکھا کہ نظیر نے ہر قسم کی نظمیں لکھی ہیں اور ہر عنواں کی پوری پوری داد دی ہے لیکن ہمیں اسکا بڑا تعجب ہے کہ نظیر ایسے معاشرت نگار شاعر نے تعشق ازدواجی پر کچھ نہیں لکھا، یہ ایک ایسا موضوع تھا جو نظیر سے مستقل نظم کا طالب تھا افسوس کہ یہ عنوان اُن کی نظر سے بچ رہا کاش اگر لکھتے تو خوب نظم ہوتی۔

نظموں پر تبصرہ ختم کرنے کے بعد اب ہم اتنا اور بتانا چاہتے ہیں کہ ہم نے تبصرہ میں، زبان، عروض، محاورات اور اس قبیل کی اور بہت سی باتوں پر تفصیلی توجہ نہیں کی مقدمہ میں مجملاً اُن کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ ارباب

دیکھی ہیں آگرہ میں بہت ہم نے خوبیاں
ہر وقت اس میں شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اسکو تو آباد جاوداں

• پہلے مصرع میں نظیر اکبرآباد کو شہر سخن فرماتے ہیں، معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں یہاں شعر و سخن کا بڑا چرچا تھا۔ کیوں نہ نظیر کا زمانہ تھا، حیف، صد حیف اب یہاں ذوق کی جنس کس قدر کمیاب ہے۔ اب ذرا اس بند کی شعری لطافتیں ملاحظہ کیجئے، مصرع کس قدر بے ساختہ زبان کس قدر پاکیزہ اور تشبیہیں کس قدر مکمل ہیں ۔

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری
ہر شام بھی وہ مشک لٹاتی ہے بھری لیلی کی جلد کر نہ سکے جس کی ہمسری
دن روئے مہر طلعت و شب زلف مہوشاں

اکبرآباد کی آب و ہوا نہایت مشہور رہی ہے ۔ مشہور ہے کہ یہاں پہلے کبھی کوئی وبائی بیماری نہیں ہوتی تھی اسی خصوصیت پر نظیر ناز کرتے ہیں۔

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا کیا اب کہے
دیکھو جدھر اُدھر گل عشرت ہیں کھل رہے
ایدھر کو تھتھے ہیں تو اودھر کو چہچہے
اشجار باغ و شہر وہ سرسبز لہلہے

کہ جن کی ہے عقیق اور پتے اور یاقوت کو حسرت
اُداہٹ کچھ مسی کی اور کچھ اس پر پان کی رنگت
وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
ادھر لعل اور ادھر نیلم ادھر مرجان ادھر موتی

دوسرے بند کا چوتھا مصرع الہامی ہے قطعی اس دنیا کی چیز نہیں معلوم ہوتا۔
خمسہ برغزل حافظ، حافظ کی ایک غزل کی تضمین ہے اول تو یہ تضمین
ہی ایک خاص لطف کی چیز ہے لیکن اس کو اس لئے بھی پیش کیا ہے
کہ نظیر کے کلام کے ہر قسم کے نمونے قارئین کی نظر سے گزر جائیں، اب
اس بند کی معنویت پر غور کیجیے :-

گر تجھے عشق حقیقی نے ہے کچھ دی توفیق
تو تو سیکھ آن کے یاں اہل طریقت کا طریق
ایک ادنیٰ سا یہ اس عشق کا نکتہ ہے دقیق
آشنایان رہ عشق در این بحر عمیق
غرق گشتند و نہ گشتند بہ آب آلودہ

اکبر آباد ایک وصّافانہ نظم ہے جس میں نظیر نے اپنے شہر کی
خصوصیات بیان کر کے وطن کا حق ادا کیا ہے۔ کہتے ہیں :-

شہر سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں
کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں

مذہب کی اصطلاحوں اور متروکات کے استعمال سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا مگر اس حالت میں بھی نظم کا مجموعی اثر ایک خاص انداز رکھتا ہے جو کسی نوع دلچسپی اور جدت سے خالی نہیں۔

موتی ایک وصافانہ نظم ہے جس میں موتی کی طرح طرح سے تعریف و توصیف کی ہے۔ موتی کی اس قدر ثنا و صفت کرنا اور ہر زیور میں موتی ہی کے حسن پر نظر ڈالنا اور صرف اسی کی داد دینا بے معنی نہیں شہباز اپنی تحقیق سے لکھتے ہیں کہ موتی نظیر کی معشوقہ کا نام تھا اور یہ نظم اسی کی تعریف میں لکھی گئی ہے، اب تو ہم بھی نظیر کے موتی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ نظیر کی "موتی" ضرور گوہر یکدانہ ہوگی، اُن کا انتخاب ہی اُن کے ذوق کی پوری پوری داد ہے، موتی میں نظیر دیکھئے کیا کیا ادائیں دیکھتے ہیں۔ ہاں صاحب کیوں نہ ہو اپنی چیز ہے۔

کبھی وہ ناز میں ھنس کر جو کچھ باتیں بناتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے

ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے
وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے

نوصد قے اس کے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی
غلط ہے اس لب رنگیں کو برگ گل سے کیا نسبت

ٹپک رہا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی مترشح ہے کہ انتہا درجہ کے ضبط کو کام میں لا رہی ہے اور عاشقانہ خودداری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتی، جوگن کی اس کیفیت خصوصی نے اس کے درد میں ایک علو اور اس کے عاشقانہ پندار میں ایک وقار پیدا کر دیا ہے جو جوگی کی عریاں بیتابی پر بہت زیادہ فوقیت رکھتا ہے۔

ان دونوں نظموں کو دیکھ کر لامحالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نظیر پورے آرٹسٹ تھے۔ صرف جوگی نامہ لکھ کر ان کی سیری نہ ہوئی بلکہ لکھنے کے بعد وہ محسوس کرنے لگے کہ جوگن نامہ کے بغیر نہ کائنات عشق اور نہیں ہو سکتے نہ آرٹ کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ مجتہدین سخن ہی ایسا مکمل ذوق لیکر آتے ہیں اور ان ہی کا مجدّدانہ ذہن اپنے ذوق لطیف کی پوری پوری داد دے سکتا ہے لیکن اس ذوق کے لوگ آج فی زمانہ ناپید ہیں۔ جوگی جوگن نامہ میں انگلستان کے مشہور شاعر مصور روزیٹی کی معروف نظم ایلسمور ڈیمن کے سے مضامین ہیں، بلکہ ان نظموں کو اردو میں الیسٹورس کا یا الیسٹورس کو انگریزی میں جوگی جوگن نامہ کا مرادف کہا جائے تو بجا ہوگا، ان دونوں کو ساتھ پڑھنے میں عجیب لطف آتا ہے۔ اسی ضمن میں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ نظمیں طول ہو جانے کی وجہ سے کسی قدر بدمزہ ہو گئی ہیں اور تفصیلات کی کثرت نے بھی لطافت میں کمی کر دی ہے۔ کہیں تصنع بھی پیدا ہو گیا ہے جس نے نظم کے حسن کا ازالہ کر دیا ہے زبان بہت صاف ہے لیکن ہندو

دونوں میں یکساں ہیں۔ اپنی معشوقہ کے فراق میں دیکھیے جوگی کہتا ہے:۔

وحشت اور کوہ میں وحشی سا پڑا پھرتا ہوں
برق کی طرح سے بیتاب سدا پھرتا ہوں
میں غرض تجھ سے صنم جب سے جدا پھرتا ہوں
رات دن ہجر میں جوگی سا بنا پھرتا ہوں
بے قراری سے ترے نام کی جپتا سمرن

اب دیکھیے اپنے دلدار کے ہجر میں جوگن دکھ کی ماری کہتی ہے:۔

ہجر نے اب تو نہایت کیا بیدم مجھ کو
پھرتی ہوں شکل بگولے کی میں ویراں ہر سو
اے مرے ماہ جبیں اے مرے ہمدم گل رو
کون سے شہر میں ہے کون سی جا پر ہے تو
اے مرے ہمدم جاں اے مرے جان و تن من

دونوں بندوں کا موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جوگی کے جذبات میں درد کے ساتھ کسی قدر کرختگی ہے لیکن جوگن کے جذبات میں درد کے ساتھ ایک قسم کی ملاحت ہے یہ بالیقین اس کی نسائیت نے پیدا کی ہے۔ جوگی کے خیالات سے بیقراری و اضطراب کا اظہار ہے جسے وہ کسی طرح ضبط نہیں کر سکتا، جوگن کی باتوں سے ہر چند غیر معمولی کرب و اضطراب

ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
مُنہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ جمایا ہولی نے
پوشاکیں چھڑکی رنگوں کی اور ہر دم رنگ فشانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں، پچکاری کی رخشانی ہے
کہیں ہوتی ہے دھینگا مشتی کہیں ٹھیری کھینچا تانی ہے
کہیں لپٹاں تھمکیں رنگ بھری، کہیں جوتا کیچڑ پانی ہے
ہر چار طرف خوش حالی کا یہ جوش بڑھایا ہولی نے

ہولی کی یہ نظم فی الحقیقت کسی تبصرہ کی محتاج نہیں، ہر بات اس قدر عریاں، پُر کیف اور موثر ہے جس کو خاص طور پر نمایاں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جوگی نامہ اور جوگن نامہ دونوں ایک قسم کی نظمیں ہیں، اس لئے انہیں بظاہر عاشقانہ و بہ باطن عارفانہ نظمیں کہہ سکتے ہیں، دونوں میں قریب قریب ایک سے مضامین ہیں اور جذبات بھی نوعیت میں یکساں ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ ایک میں عاشق مرد ہے اور دوسری میں عورت، چونکہ جوگن نامہ کی ہیرو عورت ہے صرف اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس میں نزاکت اور رقت زیادہ ہے لیکن جہانتک خالص عاشقانہ جذبات کا تعلق ہے وہ

جل کے فلک نے اس میں ہاۓ آئینی لایہ ڈالیاں ۔

اس قسم کی اور بھی اکثر مثالیں نظم میں موجود ہیں ۔

ہولی ایک ہندوانہ اور مصورانہ نظم ہے اور شاعرانہ صناعی کی اختراع فائقہ ہے ہولی میں علاوہ مذہبی خصائص کے ایک موسمی پہلو بھی ہے اس لئے نظیر کو یہ تیوہار بہت مرغوب ہے اس کے علاوہ ہولی میں شعریت اس قدر ہے کہ نظیر اس سے کسی طرح قطع نظر نہیں کر سکتے۔ نظیر کی پسندیدگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کلیات میں آٹھ نظمیں ہولی پر موجود ہیں ۔ آیئے ہولی کی محفل کا سماں دیکھیے، دیکھیے مترنم سماں کے لئے کیسے مترنم الفاظ منتخب کئے ہیں :۔

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑ بیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھی اور منہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہردم ناچنے گانے کا یہ تار بندھا یا ہولی نے

اور دیکھئے ہولی کی رنگ رلیوں کی مصوری کیسے لطیف پیرایہ میں کی ہے :۔

ہر جا گہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے

عیش وطرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
ایسے مزہ میں عیش میں آہ کہیں سے ہک نہ دہک
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

اس بند کی جو ایک طلسم مسرت وطرب ہے کون کون خصوصیتیں اور کیا کیا لطائف بتائے جائیں اور خوبیاں تو درکنار صرف جھلک جھمک جھمک، چھلک چھلک، لپک لپک، یک بیک، ہک نہ دھک، سے چاندنی کا سماں، باغ کی عطر پاشیاں، شراب کی ہیئت شگفتہ، بوسوں کی پر لطف لذتیں، عیش وطرب کا اضطراب، اور پھر سب سے آخر میں دل کی ایک اضطراری کیفیت کی مصوری میں جو کمال دکھایا ہے وہ نظیر کا حصہ تھا، یوں تو ساری نظم سماں بندی میں اپنی مثال و نظیر نہیں رکھتی لیکن اس بند میں صرف ایک لفظ کی تکرار سے اصل سماں اور ساری کیفیت بلا کم وکاست آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے

نظم فی نفسہ بالکل بے تصنع ہے، زبان صاف اور شستہ ہے، متروکات کا استعمال بہت کم ہے لیکن جمع موصوف کے لیے فعل بھی صیغۂ جمع ہی میں لایا گیا ہے جیسے:۔

ہم بھی نشہ میں مست تھے ساقی کی پی کے پیالیاں

منظرت کا ایک نازک و معصوم ترین حسن ارباب ذوق و نظر تک پہونچا دیا
اب یار کا حسنِ گلگوں اور اس کے لباسِ زرنگار کی محاکات دیکھیے :۔
آیا تھا یار گلبدن پہن کے بادلہ زری ‏ ‏ ‏ ‏ چمکے تھی تار تار میں مہ کی جھلک ذری ذری
ذیل کا شعر دیکھیے کس قیامت کا ہے صبح کا منظر اس سے کمتر،
سلیقہ اور مترنم الفاظ میں اور کہیں نہ دیکھا ہوگا :۔

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی کی جی میں رہ گئی

صبح کا ہونا طرح طرح سے اور بہت طول طویل طریقوں سے دکھایا گیا ہے
لیکن صبح کے ساتھ گجر بجنا، پھول کھلنا، اور ہوا چلنا، جو صبح کے اجزار
لاینفک ہیں بہت کم دکھائے گئے ہیں۔ اِن چند باتوں کے مجموعہ نے
ایک عجب پر لطف و سکون کیفیت پیدا کر دی ہے اور اس حسن کا خیالی
نقشہ اگر کھینچا جائے تو بے پناہ ہوگا۔
اب چاندنی رات میں صحبت عیش و طرب کا ایک اور منظر دیکھیے :۔

چاندنی واہ چاندنی کرتی تھی کیا جھلک جھلک
چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک
یار بغل میں غنچہ لب بوسوں کی سو لپک لپک

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

چاندنی رات ایک مصورانہ و عاشقانہ نظم ہے جس میں نظیر کا شاعرانہ کمال بلند ترین نقطۂ اوج پر نظر آتا ہے۔ چاندنی رات پر اُردو اور دوسرے ادبیات میں اور بھی بہت سی نظمیں ہیں لیکن کوئی اس قدر کامیاب اور شگفتہ نہیں، جس سے چاندنی کا سماں من و عن آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے اور طبیعت میں غیر معمولی تازگی اور بشاشی پیدا ہو کہتے ہیں:-

صحنِ چمن میں واہ وا زور رچی تھی چاندنی   چاند ہلوریں لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی

نظیر کا ایک ادنی کمال یہ ہے کہ بحر ایسی مناسب حال اور پرترنم چھانٹ کر لاتے ہیں جس سے مضامین کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے اور نظم میں جان سی پڑ جاتی ہے۔ اگر الفاظ خیال کو سماں بندی میں مدد دیتے ہیں تو ترنم سماں میں ایک مزید فسوں پیدا کر دیتا ہے۔ یہ نظم ذرا لحن میں پڑھنے سے محسوس ہوتا ھے کہ چاندنی رات کا منظر پیش نظر ہے اور دھیمی دھیمی موسیقی سامعہ نوازی کر رہی ہے۔ اس شعر میں چاند کا ہلوریں لینا بالکل اچھوتا خیال ہے اور اب تک کسی شاعر کو میسر نہیں ہوا۔ چاند کی غالباً یہی صفت ہے جو اس میں ایک خاص کیفیت و جاذبیت پیدا رکھتی ہے لیکن یہ کیفیت صرف محسوس کی جاتی تھی اب تک اس کے بیان کے لئے الفاظ میسر نہ تھے۔ نظیر نے الفاظ مہیا کر کے

دراصل ایک عامیانہ شیوہ ہے اور سنجیدہ طبائع کو اس قسم کے طرز زندگی سے گریز کرنی چاہئیے۔ آخر کے دونوں مصرعوں کی لے بھی قلندرانہ ہے جس سے ان کی سنجیدگی میں بہت کچھ کمی ہوگئی ہے اور اس سے یہ بھی کسی قدر مترشح ہوتا ہے کہ یہ تلقین شریفانہ زندگی بسر کرنے والوں کے لئے نہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس نظم کا مطلب کوئی فضول خرچی یا روپیہ برباد کرنا سکھانا نہیں بلکہ کار خیر میں صرف کرنے اور دل کھول کر صرف کرنے کی ہدایت نہایت مبالغہ آمیز لفظوں میں کی ہے اس لئے کہ بہ ہرکش بگیر تا بہ تپ رہی شوؔ

اب دیکھیے یہ کتنا عالی اور عارفانہ خیال ہے :-

جو جو بخیل کتّھن زر چھوڑ کر مرے گا | یا کھائے گا جنوا کی یا خالصہ لگے گا
تیرا وہی ہے جو کچھ راہ خدا میں دے گا | کھاتا کھلاتا ہنستا تو بھی سدا رہے گا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

قناعت، توکل، اور خدا پر بھروسہ کرنے کی تلقین اس سے بہتر الفاظ میں اور کیا ہوسکتی ہے اسکی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس بند کا چوتھا مصرع اب ضرب المثل کا کام دیتا ہے :-

جس نے یہ زر دیا ہے پھر وہی دھن بھی دیگا | مال و مکاں حویلی باغ و چمن بھی دیگا
جیتا رہے گا جب تک کھانے کو ان بھی دیگا | مر جاویگا تو وہی تجھکو کفن بھی دے گا

پہن زنّار اور قشقہ لگا ماتھے اُوپر بارے
نظیرؔ آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے
بندھا لو اس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

سخاوت و عشرت ایک ناصحانہ نظم ہے جس سے دراصل بخل کی ہجو کرنی منظور ہے، یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے سخاوت کے باب میں کسی قدر مبالغہ کرنا ضرور تھا لیکن نہ اتنا کہ سخاوت خود ایک عیب کی شکل اختیار کرلے۔ اس مقام پر زور طبیعت اور حمایت اخلاق حسنہ نے شاعر کے روانِ قلم کو جادۂ اعتدال سے ہٹا دیا ہے کہتے ہیں :-

زر دار ہے تو ہرگز مت مار اپنے من کو — تن زیب تن کھوں سے ترسا نہ اپنے تن کو
جو زر چلن چلیں ہیں تو بھی چل اُس چلن کو — مرشد کا ہے یہ نکتہ رکھ یاد اس سخن کو
دل کی خوشی کی خاطر چیکھ ڈال بال دھن کو
گرم دہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

اس بند کا پہلا مصرع دیکھئے عاقلانہ نصیحت سے کس قدر لبریز ہے۔ دوسرے مصرع میں اسی کی تشریح اور طبیعت نہ مارنے کا طریقہ بتایا ہے تیسرے میں ایک شریفانہ پندار کا اظہار ہے جو قطعی قابل پذیرائی ہے۔ پانچویں میں بھی ایک معتدل روش کی تلقین ہے لیکن چھٹے مصرع میں بڑی زیادتی پر کمر باندھی ہے۔ کوڑی کفن کو نہ رکھنے کی تاکیدانہ تلقین فی نفسہ نہایت مذموم ہے ۔ یہ

اس میں ہر شخص راکھی باندھتا اور شکر لیکر اپنی سسرال جاتا ہے۔
راکھی کا مذہبی اثر کچھ بھی ہو لیکن شاعرانہ نقطۂ نظر سے اس میں بڑی لطافت، وجاذبیت ہے، جنس لطیف اور اس جنس کے عنصر دوشیزہ میں خصوصاً راکھی ایک مستقل حسن پیدا کر دیتی ہے، جس کی ستم آرائیاں کوئی نظیر کے دل سے پوچھے، کسی کی موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی سے متاثر ہو کر کہتے ہیں :-

ادا سے ہاتھ اُٹھنے میں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں
کہاں نازک یہ پہونچے اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اس شوخ گل رخسار کی راکھی

ساری نظم عاشقانہ جذبات اور حسین تاثرات کا ایک پرکیف و سکر آمیز ہے جس میں طرح طرح کے خوش رنگ پھول جا بجا کھلے ہوئے ہیں جو ہر اہل دل کو متوالا بنائے دیتے ہیں۔ راکھی اور راکھی باندھنے والیوں کی فسوں پاشیاں جب نظیر سے ضبط نہ ہو سکیں تو آخر بیتاب ہو کر کہہ بیٹھے

پھرے ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حسن کے تارے
تو ان کی راکھیوں کو دیکھ اے جان چاؤ کے مارے

کی عبادت وریاضت خاک میں ملا دیتا ہے - اس ضمن میں برصیصا زاہد کی مثال کس قدر دردناک اور عبرت انگیز ہے، پس پکا صوفی وہی ہے جو ہر وقت ہشیار رہے اور کسی وقت بھی نفس کے حملوں سے غافل نہ رہے اس بند سے اسی کی تلقین فرماتے ہیں :-

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا
للکارتے ہی اس نے ہمیں آن لتاڑا

گہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہ اُس نے پچھاڑا
اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا

گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچہ

آخر کے مصرع میں اپنی کسر نفسی اور نفس کی سرکشی دکھائی ہے۔ "بھی" کا لفظ بتا رہا ہے کہ نفس سختی کے ساتھ مخالفت کر رہا ہے مگر یہ بھی اس کے مغلوب کرنے پر آمادہ ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اپنی ریاضت کا کبھی غرّہ نہ کرنا چاہیے بلکہ ہمیشہ امید و بیم میں رہے، اپنے کو کمزور اور اپنے مخالف کو قوی سمجھے اس وقت اسے پوری فتح کا امکان ہوسکتا ہے۔

راکھی ایک ہندوانہ و عاشقانہ نظم ہے جو اپنے رنگ کی ایک نرالی چیز ہے، سلونوں کا تیوہار اہل ہنود کا ایک بڑا مشہور تیوہار ہے -

اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی چیق اور اونٹوں کی ڈکاریں
غل، شور، مزے، بھیڑ، ٹھٹھ، انبوہ، بہاریں
جب ہم نے کیا لاکے کھڑا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر
وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم ان سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر
ہاں چھوڑ دیا بابا انہیں جنگلے کے اندر

جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچہ

بندر سے مراد ایام طفولیت ہیں جن میں قوت تقلید طبعی ہوتی ہے۔ چوتھے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ بچپن اور بیفکری کا زمانہ ختم ہوگیا اب ذمہ داری کا وقت آگیا ہے اس لئے نفس شریر پر قابو پانے کی ضرورت ہے اس لئے اس کی تربیت میں مصروف ہیں۔

ذیل کے بند میں بڑا دقیق صوفیانہ راز مضمر ہے جس کا جاننا ہر عارف کے لئے بہت ضروری ہے۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی نفس کش اور مرتاض کیوں نہ ہو نفس کی مخالفت آخر عمر تک جاری رہتی ہے، دنیا میں بہت سی اس کی مثالیں موجود ہیں، بلکہ بعض اوقات نفس شریر غالب آکر عمر بھر

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ ۔ لے آئے وہیں ہم بھی اٹھا ریچھ کا بچہ
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ ۔ جس وقت بڑا ریچھ ہوا ریچھ کا بچہ

جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچہ

اس نظم میں باطنی معانی و معنوی مطالب کے علاوہ ظاہری خصوصیت اور شعری لطافتوں کی بھی کمی نہیں۔ دیکھیے ریچھ کے بچہ کی کیا آرائش دکھائی ہے واقعی پری معلوم ہوتا ہے :-

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جس پہ کرن پھول
مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اوپر جھول

اوران کے سوا کتنے ٹھہائے تھے ہو گل پھول
یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول

گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچہ

ذیل کا بند اس چھوٹے سے تماشے کے منظر کا مرقع اور فلسفہ اجتماع کا ایک مختصر کرشمہ ہے۔ دیکھیے اس کے چوتھے مصرع میں کس قدر خیالات کا مجموعہ ہے اس مصرع میں سات لفظ ہیں اور ہر لفظ سے ایک مستقل خیال اور جداگانہ کیفیت ظاہر ہوتی ہے دریا کوزہ میں بند کرنا اسی کا نام ہے اور یہ صرف مجتہدین سخن ہی کا کام ہے ملاحظہ ہو :-

اک طرف کو تھیں سینکڑوں لڑکوں کی پکاریں

یہ اس حالت کا سماں ہے جب عارضی مسرت و انبساط کے پردے آنکھوں سے ہٹ جاتے ہیں اور انسان پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے ۔

آخر کا بند اس وقت کی حالت دکھاتا ہے جب عارضی عیش و نشاط کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور انسان پھر ایک غیر دلچسپ اور سادہ زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ اس وقت اس کی حالت ناقابل برداشت ہوتی ہے ۔ گذشتہ زمانہ کے عیش و عشرت کا فراق اس کو بیحد مضطرب رکھتا ہے اور اس کا تمام وقت اسی کی یاد میں کف افسوس ملتے گذرتا ہے لیکن اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا دیکھئے یہ وہی حالت ہے :۔

یہ حادثہ جو مجھ پہ پڑا آ کے یک بیک   آنکھوں سے میری اس گھڑی آنسو بڑے ٹپک
نیند اڑ گئی قرار گیا جل گئی پلک   جاگا کیا نظیر میں بھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کاٹی گھڑی گھڑی

ریچھ کا بچہ بظاہر تو ایک طفلانہ نظم معلوم ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت یہ ایک حکیمانہ تمثیل یا ایلیگری ہے ۔ ریچھ کے بچے سے انسان کا نفس شریر مراد ہے جو بہ مشکل رام کیا جاسکتا ہے اور قلندر سے مطلب خود حضرت انسان ہیں جو اس کو طرح طرح سے سدھا سدھا کر اپنا مطیع کر لیتے ہیں ۔ ریچھ کے بچے کی تعلیم و تربیت سے مراد ریاضت نفس ہے اور اس میں بہت زمانہ صرف ہوتا ہے ذیل کے بند میں اس کی طرف اشارہ ہے :۔

کم بخت بدنصیب کو محروم ہی رکھتے ہیں۔ خیر اس رنج کو چھوڑئے اور اب یہ سماں دیکھئے:۔

آتے ہی اس کے دل کا مرے کھل گیا چمن
عیش و طرب کے ابر کی پڑنے لگی بھرن

نازک کمر وہ صاف شکم اور وہ نرم تن
گل سا ملا جو مجھ کو نیا گدگدا بدن

رگ رگ میں میری چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی

لے کر بغل میں اس کو لگایا جو ہیں گلے
سو عشرتوں کے دل پہ مرے کھل گئے در سے

حاضر ہوئے جب آن کے سب عیش اور مزے
سینہ سے سینہ مل گیا اور لب سے لب ملے

لٹنے لگی بہار مزوں کی دھڑی دھڑی

یہ اس عالم کا سماں ہے جب انسان مسرتوں میں شرابور اور عشرتوں میں مدفون ہوتا ہے لیکن اس کیفیت میں یکایک یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے:۔

ان عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں چاہا میں اس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں
اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل گئی

کہ دوسرا لفظ یہ مفہوم ادا ہی نہیں کرسکتا۔ پس اگر یہ لفظ نہ ہوتا تو مصرع تشنہ رہتا اور اس کا زور قطعی زائل ہو جاتا سراپا کا ایک سماں اور دیکھئے:۔

زلفیں وہ مشک ناب سی چہرہ وہ چاند سا
جگنو رہا گلے میں ستارہ سا جگمگا

گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا
جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

یوں تو یہ بند کا بند بےمثال ہے لیکن اس کے چوتھے اور پانچویں مصرعوں کا جواب ناپید ہے۔ سرخ جوڑے کو شفق سے تشبیہ دینا تو خیر کوئی ایسی عجیب بات نہیں معمولی شاعر بھی ایسا کرسکتا ہے لیکن "تن کی جھمک" میں بجلی کی مشابہت دیکھنا صرف نظیرؔ کی نازک بصیرت و شاعرانہ نظر کا کام تھا۔

اب اس کے بعد اس ستم ایجاد مہ لقا کی صحبت کا سماں دیکھئے۔ فی الحقیقت یہ وہ حالت ہے جب عنانِ صبر و استقلال انسان کے ہاتھ میں کسی طرح نہیں رہ سکتی۔ اس سے مراد دنیا کے فریب ہیں، یعنی یہ کہ وہ طرح طرح سے لبھا کر انسان کو پہلے بے قابو کر دیتے ہیں اور پھر اس کو اپنے دام میں گرفتار کر لیتے ہیں اور اس پر ستم تو یہ ہے کہ پھر بھی وفا نہیں کرتے اور

ہیں دنیا کی ان نظر فریب آرائشوں اور سیمیائی جلووں کا سماں ہے جو انسان کو طرح طرح سے لبھاتے اور اس کو مافیہا سے غافل کر دیتے ہیں نظیر کی سماں بندی کا ایک مختصر نمونہ ملاحظہ فرمائیے:۔

گلشن کہیں چمن کہیں شیشہ صراحی جام
فرش طلا بچھا کہیں یکسر جڑت کا کام
تھی نقرئی زمیں تو سنہرے تمام بام
طاق و رواق اس کے چمکتے تھے یوں مدام
گویا کہ اینٹ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

اس کے بعد ایک ستم ایجاد مہ لقا کے حسن و جمال کا سراپا اس کے شباب کی زاہد فریبیاں، اس کی شوخیاں و طرحداریاں، اس کا سنگھار اور آرائشیں ان تمام باتوں کا تذکرہ ہے اور ان تمام کے مجموعہ سے مراد "دنیا" ہے۔ اب اس کا بے پناہ عالم اپنی آنکھوں سے دیکھئے:۔

خونریز ابرو جاں کی قاتل ہر اک نگاہ
مژگاں وہ برچھیوں کو لئے تل رہی پناہ
مہندی سے انگلیوں نے کئے خون بے گناہ
آنکھوں میں کھنچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ
پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے سر پڑی

آخر کے مصرع میں "سر پڑی" کا لفظ گو کسی قدر مبتذل اور سوقیانہ ہے لیکن اس سے مفہوم پورے طور پر ادا ہوتا ہے بلکہ مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے

خاص چیز ہے جو بچوں کے درس میں شامل کرنے کے لئے بہت اچھی ہے آخر میں نظیر نے اس قصہ سے ایک اخلاقی نتیجہ اخذ کیا ہے جو بالذات نہایت اہم اور سبق آموز ہے :-

گیدڑ نے اس ہرن کا جو چاہا تھا واں برا
پائی اسی نے اپنی بدی کی وہیں سزا
تھا یہ تو نثر میں نے اسے نظم میں کیا
پہونچا نظیر جب وہ خوشی ہو کے اپنی جا
کوّے کے ساتھ پھر وہ بہت خوش رہا ہرن

خواب کا طلسم ایک معاملہ بندانہ و عاشقانہ نظم اور ایک پر معنی ایمیگری ہے جس میں دنیا اور دنیا کی دلفریبیوں کی بے ثباتی کی مصوری کی ہے۔ نظم اول سے آخر تک ایک رنگ میں ہے اور نہایت دلچسپ ہے اس کا لٹریچر اول درجہ کا ہے اور الفاظ کے انتخاب میں شاعر نے خاص طور پر اہتمام کیا ہے کوئی لفظ، کوئی بندش، کوئی مصرع ایسا نہیں جو لطافت سے خالی اور ادبیت سے معرا ہو۔ غرض کہ پوری نظم ایک پر کیف چمنستاں ہے جس کی دلکشی صرف اس کی سیر کرنے سے قلب پر اثر کرتی ہے۔ پہلے بند میں اس بیفکری اور فارغ البالی کا نقشہ ہے جو انسان کو کبھی کبھی میسر آجاتی ہے۔ اس کے بعد کے تین بندوں

واہ کیا بات کورے برتن کی

تیسرے مصرع میں "باسن" کے لفظ نے "باسن" کہنے والی بہت سی قدیم ہستیاں یاد دلا دیں اس لفظ کے بولنے والے آہ عرصہ ہوا پیوند خاک ہوگئے اور اب کورے باسنوں میں جنت کی شراب طہور پی رہے ہیں۔ دنیا میں باسن کا وجود صرف اُن ہی کے ساتھ تھا اور اِن ہی کی زبان پر وہ اچھا بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے وہ بھی اِن ہی کے ساتھ پیوند زمین ہو کر اپنے کل کا جزو جا بنا۔

کل شی یرجع الیٰ اصلہ

کوا اور ہرن کا بچہ ایک منظوم قصہ اور حاکیانہ نظم ہے جس کا ماخذ انوار سہیلی ہے۔ اس لئے ایک طرح اس کو مترجانہ نظم بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں ایک کوے اور ہرن کے بچے کی دوستی کا فسانہ مندرج ہے جس سے نظیر کی قوت بیان و حکایت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس نظم کی زبان نہایت صاف اور شستہ ہے۔ اور نظم بھی فی نفسہ بالکل بے تکان اور بے ساختہ ہے۔ نظم کی وجہ سے مطالب ادا کرنے میں کوئی رُکاوٹ یا تصنع پیدا نہیں، بلکہ قصہ بالکل اسی طرح ادا ہوا ہے جس طرح نثر میں ہوتا۔ اُردو میں طویل منظوم فسانوں کی کوئی کمی نہیں لیکن اتنے مختصر منظوم فسانے بہت کم ہیں۔ یہ نظم اپنی نوعیت کی ایک

لطف اندوز ہو جیسے نظیر فرماتے ہیں :-

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں   کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رستے ہیں آب کے نم میں   جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

دیکھئے یہ بند کس بہار کا ہے - اسکی اور اس کے بعد کے بند کی لطافت گرمیوں میں محسوس کی جا سکتی ہے خصوصاً جس وقت پیاس لگ رہی ہو اس عالم کا پیش نظر ہونا تو درکنار اس بند کا پڑھنا ہی کافی ہے، دیکھئے کیا کیفیت قلب پر طاری ہوتی ہے اور کس قدر سکون محسوس ہوتا ہے۔ پہلے مصرع میں صرف دو لفظوں " عالم میں " نے شاعر کے تمام مطالب ذہنی ادا کر دیے ہیں اور کورے کوزوں کے جملہ محاسن ظاہری و باطنی اور ان کی ساری جاذبیت دکھا دی ہے۔ لیکن چوتھے مصرع کی لطافت و شگفتگی، شادابی و عطر بیزی کی پناہ نہیں، مسرت و سرور کی بے پناہ کیفیت قلب پر طاری کرتا ہے۔ نظم کا آخری بند کسی قدر رندانہ ہے لیکن آپ اپنی مثال ہے، دیکھئے اور سر دھنئے:

کوروں پہ جو نظیر جوبن ہے   جو جرے میں کہاں وہ کہن کہن ہے
جس گھر میں پئی یہ کورا باسن ہے   وہ گھر نہیں ہے گلشن ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی

وہ ضرور کسی شخص سے واقف ہونگی جو درختوں کے پیچھے کھڑا رہتا ہے جب کبھی وہ پانی لینے جاتی ہیں۔ دونوں بہنیں جب اس جگہ سے گزرتی ہیں تو آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کرتی ہیں" انہوں نے ضرور اس شخص کے بھید کو تاڑ لیا ہوگا جو درختوں کے پیچھے کھڑا رہتا ہے جب کبھی وہ پانی لینے جاتی ہیں، یکایک اُن کے گھڑے ہلتے ہیں اور پانی چھلک جاتا ہے جب وہ اس مقام پر پہنچتی ہیں۔ انہوں نے ضرور سمجھ لیا ہوگا کہ اس شخص کا دل دھڑک رہا ہے جو درختوں کے پیچھے کھڑا رہتا ہے جب کبھی وہ پانی لینے جاتی ہیں۔ دونوں بہنیں جب اس مقام پر آتی ہیں تو ایک دوسری کی طرف دیکھتی ہے اور مسکراتی ہے۔ اُن کے تیز تیز بڑھنے والے پاؤں میں ایک خندہ مضمر ہے جو اس شخص کے دماغ کو پریشان کر دیتا ہے جو درختوں کے پیچھے کھڑا رہتا ہے جب کبھی وہ پانی لینے جاتی ہیں۔"

ٹیگور نے جو خیالات اور جذبات اظہار کرنے کے لئے ایک پوری نظم صرف کی ہے وہ نظیر نے صرف ایک مصرع سے ادا کئے ہیں۔

لے گیا جان پاؤں کا کھٹکا

بظاہر یہ ایک مصرع ہے اور صرف ایک معمولی سے خیال کو ظاہر کرتا ہے لیکن پاؤں کے کھٹکے میں جو جو اداتیں پنہاں ہیں ان کو سوچئے اور لطف اٹھائیے۔ خیال کی دنیا بہت وسیع ہے۔ اب دوسری کیفیت سے

حقیقت نہیں رہتی۔ فی الحقیقت کوئی نہیں جانتا کہ آب حیات کیا چیز ہے لیکن
پانی ہزاروں آدمیوں نے کورے برتن میں پیا ہے جس سے یہ بخوبی معلوم ہو گیا ہے
کہ پانی کا مزہ کورے برتن سے بہتر کسی چیز میں نہیں آسکتا۔ پس جب پانی کا
اس سے بہتر مزہ انسان کے تجربہ میں نہیں تو یہ کہنا کہ کورے برتن میں
پانی پینا آب حیات کے مزہ کو مات کرتا ہے مبالغہ نہیں۔ اب ذرا ان مصرعوں کی
تازگی اور شادابی ملاحظہ کیجئے :۔

سوندھی سوندھی ٹھٹولیاں باندھیں ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں

اب آگے بڑھئے اور کورے برتن اور اس کے متعلقات کے دوسرے
لطائف دیکھئے :۔

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا اس کا جوبن کیہ اور ہی مٹکا
لے گیا جان پاؤں کا کھٹکا دل گھڑے کیطرح سے دے پٹکا
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

دوسرے مصرع میں صرف "مٹکا" کے ایک لفظ سے جو مطلب ادا کیا
اور سماں کھینچا ہے وہ دوسرے لفظوں میں پوری نظم سے بھی ادا نہیں ہو سکتا تیسرے
مصرع میں جو جاذبیت ہے اسے دیکھ کر ٹیگور کی یہ نظم یاد آتی ہے :۔
"جب وہ نہیں پانی لینے جاتی ہیں تو اس مقام پر آتی ہیں اور مسکراتی ہیں۔

اور متروکات سے معرّیٰ ہے نظیر کی شاعری کے اعلیٰ نمونوں میں اور بلاخوف تردید پیش کی جا سکتی ہے۔

کورا برتن و ضانانہ نظم ہے اور اس فہرست کی نظموں میں سے ہے جن پر اُردو زبان اور ادب لطیف بجا ناز کر سکتے ہیں۔ اس کے لٹریچر میں آذر قدیم کی سی سادگی اور لطافت، اور اس کے خیالات میں الہامی کلام کی سی، شادابی، وسعت اور علو ہے، کہتے ہیں :-

کورے برتن میں کیاری گلشن کی جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی
بوند پانی کی آن میں جب کھنکی کیا وہ پیاری صدا ہے سن سن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

واقعہ یہ ہے کہ جنھوں نے سن سن کی وہ پیاری صدا سنی ہے اور کورے برتن کی وہ معصوم و شاداب کیفیت جو اس میں پانی پڑتے وقت ہوتی ہے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے وہ تو اس بند کا پورا لطف خوب خوب اُٹھا سکتے ہیں لیکن جنھوں نے نہیں دیکھی اُن کے لیے بھی اسکی خیالی لطافت بادۂ ناب کے سرور کا حکم رکھتی ہے :-

دوسرے بند میں پانی کی نوعی بزرگی کا اعتراف کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ پانی جب کورے برتن میں ملتا ہے تو اس کے سامنے آب حیات کی بھی کوئی

دیکھئے برسات کے زمانہ میں سڑی گرمی سے قلب میں جو اضطراب اور طبیعت پر جو ہجوم تکدر و انقباض ہوتا ہے اس کا یہ سماں کتنا مصورانہ ہے :-

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند
پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پھینکے کوئی پگڑی کوئی کھولے ہے کھڑا بند
دم رک کے گھلا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

اس نظم میں بھی نظیر نے ایک جگہ مصوری یعنی عکاسی اور آرٹ کو ملا کر ایک نئی چیز پیدا کی ہے اور اوس کا ایک خیالی منظر پیدا کیا ہے ملاحظہ ہو :-

اوس میں تو لازم ہے نہ پنکھا نہ ہوا ہو ایک کوٹھری ہو جس میں دھواں آ کے بھرا ہو
اور مکھیوں کے واسطے گرتن سے لگا ہو اس وقت مزہ دیکھئے اوس کا کہ کیا ہو

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

"اوس" اول سے آخر تک مکمل چیز اور مصوری کی اختراع فائقہ ہے۔ نظم فی نفسہ نہایت پاکیزہ، غیر مصنوعی اور بیساختہ ہے۔ زبان بالکل صاف

چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

اس کے بعد کے دو بندوں میں عاشقانہ و جوانانہ جذبات کا اظہار ہے - یہ دونوں بند کسی قدر عریاں ہیں لیکن اتنی مہذب عریانی کی مثال بمشکل کسی لٹریچر میں مل سکتی ہے - پانچویں بند کا تیسرا مصرع :-

محبوب گلے سے لپٹا ہو اور کہنی چپکی لاتیں ہوں

محاکات کی اعلیٰ ترین و نادر ترین مثال ہے - ہر چند نہایت عریاں ہے لیکن پھر بھی کوئی اعتراض عریانی کا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کھلے الفاظ میں کوئی بات نہیں کہی گئی نہ الفاظ ہی فرداً فرداً ایسے ہیں جن میں خواہ مخواہ کوئی عریانی ہو، لیکن صرف الفاظ کی نشست اور مصرع کے سیاق سے وہ سماں کھینچا ہے جسے ہزار تصویریں بھی ادا نہیں کر سکتیں -

اوس ایک موسمی اور مصورانہ نظم ہے جسے صرف ہندوستان کا فطری شاعر لکھ سکتا ہے اس نظم میں اوس کی جملہ تفصیلات اور کثرت اوس سے جو جو اذیتیں انسان کو پہنچتی ہیں وہ سب نہایت خوبی کے ساتھ بیان کی ہیں، بلکہ ایسی مصوری کی ہے کہ نظم پڑھتے پڑھتے اوس کی کیفیت طبیعت پر طاری ہو کر جی گھبرانے لگتا ہے اور اوس کی سی اذیت ہونے لگتی ہے،

بیتی کا خود اندازہ کرکے ہر شخص نظیر کی محاکات نگاری کی داد دے سکتا ہے ہمارے بتانے یا سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

اس نظم میں مصور شاعر کے عاشقانہ و جوانانہ جذبات خاص طور پر نمایاں ہیں۔ جاڑے کی مصوری کرنے میں آگے چل کر نظیر نے تخیل سے بہت زیادہ کام لیا ہے اور سردی کو مکمل نمونۂ صنعت و آرٹ بنانے کی کوشش کی ہے بظاہر یہ دو باتیں یعنی معاملہ بندی اور تخیل آرائی یا یوں کہیئے کہ مصوری (عکاسی) اور صناعی (آرٹ) نقیضین معلوم ہوتی ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے۔ واقعات کی مصوری اور صناعی یا آرٹ میں جس کی تمام تر بنا تخیل پر ہوتی ہے ہمیشہ بہت بڑا فرق ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں ایک حد مقرر ہوتی ہے اور نگاہ اس سے باہر کسی طرح نہیں جاسکتی۔ لیکن دوسری صورت میں خیال بالکل آزاد ہوتا ہے اور تصویر کی تکمیل خیال کی بلند ترین پرواز پر منحصر ہوتی ہے۔ اس لئے یہ دونوں باتیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ لیکن نظیر نے مصوری اور آرٹ کو ایک جگہ جمع کرکے مافوق العادت کمال شاعری، اور مجتہدانہ بصیرت مصوری کا ثبوت دیا ہے۔ معاملہ بندی میں خیال آرائی کا لطف ملاحظہ فرمایئے۔

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا

اور پھر طرح طرح سے دہوکا دیتا ہے۔ لیکن آخرکار دنیا کا مقابلہ کرنے کے لیے پھر خم ٹھونک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی سختیاں شروع کر دیتا ہے یعنی یہ کہ چلے کا جاڑا پڑنے لگتا ہے۔

یہانتک تو زمستاں کے مظالم اور اس کی فریب کاریوں کا ذکر تھا اب ان کا اثر انسانوں پر ملاحظہ فرمائیے۔ دیکھئے سردی میں انسان کی کیا حالت ہوتی ہے اور پھر اس حالت کو کس قدر تفصیل کے ساتھ شاعر نے دکھایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذیل کے بند میں نظیر نے محاکات کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور مصوری کی قرار واقعی داد دی ہے۔ دیکھیے سماں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی

ہو شور پھپھو ہو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی سی کی
کلّہ پہ کلّہ لگ کر چلتی ہو منہ میں چکی سی تھا
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

تھر تھر کا زور، بتیسی بجنا، پھپھو ہو ہو ہو، سی سی سی سی، کلّہ پہ کلّہ لگنا، دانتوں کا چنے سے دلنا یہ ایسی باتیں تو ہیں نہیں جنکی تشریح کی ضرورت ہو، سردی کے موسم میں ہر شخص پر یہ حالت گزرتی ہے، لہذا آپ

اس نظم میں موسم کی حالت پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالی ہے اور کئی طرح سے زمستان کی مصوری کی ہے۔ سب سے پہلے نفس زمستان کی محاکات نگاری کی ہے دیکھیے :۔

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سبنھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی؛
پالا بھی برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی؛
چلّا خم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

اس بند کا پہلا مصرع تو خیر ایک واقعہ کا اظہار کرتا ہے لیکن دوسرے مصرع میں صرف دو لفظوں "ہنس ہنس" سے شاعر نے کمال دکھایا ہے اور جاڑے کی انتہائی تکلیف پیش نظر کر دی ہے۔ جاڑے کو ایک انسان قرار دے کر یہ دکھایا ہے کہ جب وہ اہل عالم کو سردی کی تکلیف میں مبتلا دیکھتا ہے تو اس کو انکی حالت زار پر بجائے رحم آنے کے ہنسی آتی ہے وہ اُن پر تمسخر کرتا ہے اور بجائے اس کے کہ ختم ہو کر دنیا کو سردی کی اذیت سے نجات دے اور سبنھل جاتا ہے، تیسرے مصرع پھر سردی کی فریب کاری کا اظہار کرتا ہے۔ چوتھے مصرع میں رات کا سماں اور جاڑے کی سختیوں کا ذکر ہے۔ پانچویں مصرع میں دکھایا ہے کہ جاڑا اپنے افعال سے پہلے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ چلا جائے گا

لئے جواب تک صرف دیکھی جاتی تھیں مگر بیان نہ ہوسکتی تھیں، الفاظ مہیا
ہوگئے ہیں جن کو ہر شخص روزمرہ اور ادبیات میں بھی استعمال کرسکتا ہے ان
سب باتوں کے ماسوا اس نظم میں بہت سی شاعرانہ خصوصیات بھی ہیں
جو بالذّات بڑی کیفیت رکھتی ہیں۔ تیراکی کا سمان دیکھئے :-

جمنا کا پاٹ گویا صحن چمن ہے پیارے
پیراک اس میں پیریں جیسے کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے
پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے

کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہی پیریں اپنا دکھا کے سینہ
سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینہ
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینہ
سرڈوں کا یہ چلا ہے گویا کہ اک قرینہ

دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

موسم زمستاں موسمی نظم ہے اور اپنے مقام پر اختراع فائقہ کا حکم رکھتی ہے

جب پیرنے کی رت میں دلدار پیرتے ہیں — عاشق بھی ساتھ انکے غمخوار پیرتے ہیں
بھولے سیانے نادان ہشیار پیرتے ہیں — پیر و جوان لڑکے عیار پیرتے ہیں
ادنیٰ غریب مفلس زردار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

یہ نظم بڑی پاکیزہ اور مشہور نظموں میں سے ہے، جہانتک نظم کا تعلق ہے ہر مصرع نہایت پُرکیف بے تصنع اور بیساختہ ہے۔ زبان بالکل صاف شستہ اور متروکات سے معرّا ہے اب رہا نفس مضمون تو اسکی خوبیاں بھی اپنی جگہ پر مستقل اور غیر فانی ہیں۔ آگرہ میں دریا کنارے جس قدر مشہور مقامات اس وقت تھے اور جن کا تیراکوں سے کوئی لگاؤ تھا ان سب کا تذکرہ کرکے ان کی تاریخ کو زندہ کر دیا ہے۔ ان میں سے بہت سے مقامات کے جاننے والے بھی اب باقی نہیں، اگر نظیر کی یہ نظم نہ ہوتی تو ان مقامات کے نام بھی انکی عمارتوں کے ساتھ مٹ جاتے تاریخ پر نظیر کا یہ بہت بڑا احسان ہے اِس کے علاوہ پانی کی مختلف ہیئتوں کے نام ایک بند میں اکھٹے کئے ہیں، یہ زبان پر بڑا احسان ہے۔ ہر چند یہ نام تیراکوں کی زبان پر ہیں (اور بہت سے وہ بھی نہیں جانتے لیکن عامۃ الناس ان سے قطعی بے خبر تھے۔ نظم میں ان کا ذکر لانے سے اول تو اِن میں ادبی شان پیدا ہوگئی ہے اور جو کچھ عمومیت تھی وہ زائل ہوگئی ہے دوسرے پانی کی ہیئتوں کے

نظم کے عنوان اور نفس مضمون میں جس قدر شعریت ہے اتنی نظم میں نہیں، متروک الفاظ اس کثرت اور بھاشا کی اصطلاحیں اس بہتات سے استعمال کی ہیں کہ نظم کے معانی اِس زمانہ کے اُردو داں طبقہ کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ لیکن جہاں کہیں بھاشا کے ایسے الفاظ کا استعمال ہے جو عام طور پر سمجھ میں آ سکتے ہیں تو وہ مقامات یاد رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ ذیل کے بند کو ذرا پڑھیے اور پھیر دہ سماں ذرا نگاہوں کے سامنے کھینچنے کی کوشش کیجئے دیکھئے کیا کیفیت طاری ہوتی ہے:۔

موہن کی بانسری کے میں کیا کیا کہوں جتن　　لے اُسکی من کی موہنی دھن اسکی چت ہرن

اب بانسری کا آن کے جس جا ہو اُجتن　　کیا جل پون نظیرؔ پکھیرو و کیا ہرن

سب سُننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری۔

ایسی بجائی کِشن کنہیا نے بانسری

آگرہ کی پیرا کی ایک مصورانہ نظم ہے اور لوکل کلر یا مقامی رنگ کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ نظیرؔ نے برسوں آگرہ کا یہ میلا دیکھا ہے فی الحقیقت بڑی حق تلفی ہوتی اگر وہ اِس میلہ کا اتنا حق بھی ادا نہ کرتے۔ آگرہ کی پیرا کی نے انہیں طرح طرح سے لبھایا اور ان کے لیے ہزاروں طرح کی دلچسپیاں اور مسرتیں پیدا کی ہیں اِس لیے اِن تمام لطیف احسانات کے بدلے میں نظیرؔ نے بھی اس میلے کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔ کہتے ہیں:۔

کوئی کہتی بیاہ بھولاؤ آس آس مرادوں والے کی
کوئی کہتی بالک خوب ہوا اے بھینا تیری نیگ رتی
یہ بالے ان کو ملتے ہیں جو دنیا میں ہیں بڑہ بھاگی
اس کنبے کی بھی شان بڑھی اور بھاگ بڑے اس گھر کے بھی
یہ باتیں سب کی سن سن کر یہ بات جسودا کہتی تھی

اے بیر یہ بالک جو ایسا اب میرے گھر میں جنما ہے
کچھ اور رکھوں میں کیا تم سے بھگواں کی سو بر کرپا ہے

اِن بندوں کی کوئی خصوصیت کسی کی نظر میں ہو یا نہ ہو لیکن موسیقیت تو اس غضب کی ہے کہ دل بے قابو ہوجاتا ہے۔

بانسری ہندو مذاق کی ایک وصّافانہ نظم ہے جو کرشن جی کی زندگی کے محبوب ترین شغل شوق و تفنن کا نقشہ کھینچتی ہے۔ ہندوؤں کے لئے تو اس نظم میں خدا جانے کیسی جاذبانہ عقیدت پنہاں ہے لیکن دوسرے لوگوں کے لئے بھی اِس کی مترنم لطافت کی پناہ نہیں۔ سنئے:-

جس آن کانہ جی کو وہ بنسی بجاؤنی   جس کان میں ڈآونی واں سدھ بھلاؤنی
ہر من کی ہو کے ٹوہنی اور چیت لبھاؤنی   نکلی جہاں دھن اسکی ڈمیٹھی سہاؤنی
سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

جہاں عورتوں کی رسموں کا سماں کھینچا ہے وہاں عورتوں کی زبان بڑے کمال کے ساتھ لکھی ہے اگر یہ خصوصیت جسکی اس موقعہ کے لئے نہایت ضرورت تھی اس کمال کے ساتھ نہ ہوتی تو اس نظم اور بالخصوص اس مقام کا پایہ بہت گر جاتا۔ نظم کا یہ مقام خصوصیت کے ساتھ دلچسپ ہے گھر میں بچہ پیدا ہونے کے وقت خواتین کے مشاغل، انکی سرگرمیوں اور مسرتوں کا دیکھئے کیسا بمثال صحیح اور لطیف نقشہ کھینچا ہے۔

سب ناری آئیں گوکل کی اور پاس پڑوسن آبیٹھیں
کچھ ڈھول مجیرے لاتی تھیں کچھ گیت جچا کے گاتی تھیں

کچھ ہر دم مکھ اس بالک کا بلہاری ہو کر دیکھ رہیں
کچھ تھال پنجیری کے کرتیں، کچھ سونٹھ سٹھورا کرتی تھیں

کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو
کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو

کوئی اگھٹی مینجھی گرم کرے کوئی ڈالے اسپند اور دھوسی
کوئی لائی ھنسلی اور کھڑوے کوئی کرتہ ٹوپی میوہ گھی

کوئی دیکھے روپ اس بالک کا کوئی ماتھا چومے مہر بھری
کوئی بھنوؤں کی تعریف کرے کوئی آنکھوں کی کوئی پلکوں کی

کوئی کہتی عمر بڑی ہووے اے بیر تمہارے بالے کی

اسی خصوصیت کی مظہر ہے۔ اول تو یہ قدیم علم الاصنام ہند کے متعلق ہے اور اس لئے اس سرزمین کے تمام شاعرانہ مذاق رکھنے والوں کے لئے دلچسپی رکھتی ہے دوسرے چونکہ مذہب سے بھی متعلق ہے اس لئے ہندوؤں کی خاص دلچسپی کی شے ہے، پھر یہ کہ قدیم ہندو معاشرت اور رسم ورواج کا بھی اس سے کافی اندازہ ہو جاتا ہے۔ بھاشا کے مانوس اور نامانوس دونوں قسم کے الفاظ کا اس میں کثرت سے استعمال ہے۔ اس نظم کو پڑھ کر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نظیرؔ ہندو فلسفہ اور ہندو نجوم سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے کیونکہ جگہ جگہ ان علوم کے حوالے بالواسطہ اور بلاواسطہ موجود ہیں۔ بھاشا کے الفاظ اس نظم میں خصوصاً اس قدرت کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں جس سے اس زبان پر بھی نظیرؔ کا اجتہاد ظاہر ہوتا ہے۔ دیکھئے کرشن جی کے لئے کتنے صفاتی نام مہیا کئے ہیں :-

پھر آیا واں ایک وقت ایسا جب آئے گرب میں منموہن
گوپال، منوہر، مرلیدھر، سیکشن، کشورن کیول من
گھنشام، مُراری، بنواری، گردھاری، سندر، شیام برن
پربھوناتھ، بہاری، کان للا، سکھدائی، جگ کے دکھ بھنجن
جب ساعت پرگٹ ہونے کی واں آئی مکٹ دھرتا کی
اب آگے بات جنم کی ہے جے بولو کشن کنہیا کی

مقصود، مراد، امید، سبھی بر لاتے ہیں دلخواہ گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

یہ نظم کسیقدر خشک اور بدمزہ ہے لیکن اسکی وجہ ظاہر ہے۔ چونکہ اس کا تعلق ایک فرقہ کے عقیدت مندانہ جذبات سے ہے اس لئے ہر شخص کے دل پر اثر نہیں کرتی۔ اس کی پُر اثری اور معنویت کا حال سکھوں سے پوچھیے، نظم میں سکھوں کی مذہبی اصطلاحوں اور پنجابی الفاظ کا استعمال ہوا ہے جو ہم لوگوں کے لئے غیر مانوس ہیں۔ نظم میں فی نفسہ کوئی تصنع یا غیر فطری پہلو نہیں لیکن اس سے بھی بالاتر بند کے آخری دو مصرعے جو ہر بند میں دوہرائے گئے ہیں خاص دل سے نکلی ہوئی چیزیں ہیں اور دل پر اثر کرتے ہیں:۔

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

کنہیا جی کا جنم ایک معاملہ بندانہ و حاکیانہ نظم اور خالص ہندو مذاق کی چیز ہے۔ یہ اُس قبیل کی نظموں میں سے جو کسی شاعر کو اس کی جنس میں ممتاز کیا کرتی ہیں۔ ہر شاعر اپنے حصہ کی ایک نہ ایک خصوصیت اپنے رنگ میں سب سے علیحدہ رکھتا ہے جو صرف اسی کا حصہ ہوا کرتی ہے اور یہ نظم نظیر کی

بحر کا ترنم اور الفاظ کی نشست تو نظم کی جان ہیں لیکن تیوہار کی تفصیلات کی مصوری جس انداز سے کی ہے اس سے معاشرت پر عبور کا اندازہ ہوتا ہے، ہولی کی رنگ رلیوں کا محفل کی دلچسپیوں سے جہاں تک تعلق ہے اُن کا سماں دیکھئے کیسا پرکیف اور کتنا صحیح ہے :-

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھہ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس عیش مزے کے عالم میں ایک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس نظم کو بار بار اور گا کر پڑھنے سے قوتِ خیال ہولی کا ایک ذہنی سماں اپنے لئے پیدا کر لیتی ہے جس کا لطف صرف اسی حالت میں محسوس کیا جاتا ہے اور ضابطۂ تحریر میں کسی طرح نہیں آسکتا۔

نانک شاہ گرو سپاس مندانہ نظم ہے اور اس سے نظیر کی وسیع النظری مذہبی بے تعصبی اور معلومات عامہ کا اندازہ ہوتا ہے ۔ دیکھئے کس عقیدت و احترام کے ساتھ فرماتے ہیں ۔

ہیں کہتے نانک شاہ جنہیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر ہیں جگ میں یوں روشن جیسے ماہ گرو

دو جہاں کے سلطان، خاتم کے دین و ایماں، سر دفتر مسلماں، سردار ملک عرفاں،
کتنا راستہ اور عقیدت مندی کا نمائندہ ہے یہی وہ مقامات ہیں جہاں تعصب پرزہ
پرزہ ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اس نظم میں جگہ جگہ نہایت پاکیزہ خیالات کا اظہار
کیا ہے لیکن آخری بند خاص نظیر کے رنگ کی چیز ہے:-

حضرت کے دوستوں کی حضرت تمہارے رو سے ‌ ‌ ‌ غالب ہے سب شفاعت کرم کی بو سے
رکھیو نظیر کو تم دو جگ میں آبرو سے ‌ ‌ ‌ یہ چاہتا ہوں اب میں سو دل کی آرزو سے

اے موجد ہر احسان حضرت سلیم چشتی

اس بند کا دوسرا مصرع الہامی ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ دوستی
کی اس سے زیادہ تعریف غالباً کسی لٹریچر میں میسر نہیں آسکتی۔ انتہا درجہ کی
محبت میں یہ الفاظ منہ سے نکل سکتے ہیں لیکن ہر شخص کا ظرف ان کے کہنے کی صلاحیت
نہیں رکھتا۔

ہولی ایک موسمی اور مسرورانہ نظم ہے جو نظیر کے بہترین کلام میں سے ہے۔
اس نظم کو شروع اس خوبی سے کیا ہے کہ موسم کی حالت و کیفیت کا پورا اندازہ
صرف لفظوں سے ہو جاتا ہے۔ پہلے بند کا پہلا مصرع تو موسم کی حالت بہت ہی
صاف صاف بتاتا ہے لیکن تیسرے مصرع میں جو حسین ذریعہ موسمی کیفیت کے اظہار
کرنے کا نکالا ہے اس کی بنا نہیں،

پریوں کے رنگ دیکھتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

حضرت سلیم چشتی ایک سپاس مندانہ نظم ہے اور اپنی نوعیت میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ ایک ایسے شاعر کی قلم سے جس کا مذہب شیعہ ہو ایسی نظم کا نکلنا نہایت تعجب انگیز ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاعر وہی ہے جو حسن کو حسن سمجھ کر دیکھنے اور مذہب کا صحیح احساس رکھتا ہو۔ مذہب کبھی کسی بزرگ سے سوئے ظنی رکھنا نہیں سکھاتا بلکہ محبت و عقیدت کی تعلیم دیتا اور احترام تلقین کرتا ہے۔ مذہب تعصب کو خصوصاً بُرا سمجھتا ہے لیکن شاعر کے لئے تو یہ سم قاتل ہے۔ جہاں تعصب نے دراندازی شروع کی اور طبیعت نے یک طرفی پر کمر باندھی شاعری تباہ ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ نظیر کے یہاں تعصب کا نام نہیں ہے اسی لئے اُن کے کلام میں ایسی سحر اثری پائی جاتی ہے۔ یہ نظم ہر اعتبار سے نہایت بلند پایہ ہے، خیالات میں علو، الفاظ میں شکوہ، اور تراکیب میں شستگی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے، بندشیں نہایت چست اور مصرع بالکل بیساختہ ہیں۔ ہر بند برابر کا نپا تلا ہے اور پوری نظم ایک رنگ میں ہے، زبان میں صفائی اور ادبیت ہے اور متروکات کا استعمال بالکل نہیں ہے۔ دیکھئے پہلے بند سے کس قدر محبت اور عقیدت ٹپکتی ہے:-

ہیں دو جہاں کے سلطاں حضرت سلیم چشتی | عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتی
سر دفتر مسلماں حضرت سلیم چشتی | مقبول خاص یزداں حضرت سلیم چشتی
سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتی

ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دوالی کا تیوہار ہندوستان کی خصوصیات میں سے ہے اور اپنے اندر بڑی جاذبیت اور لطافت رکھتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ نظیر نے اس کے زریں پہلو کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور محض مبتذل اور سیاہ رخ پر نظر ڈالی ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ معاشرت کا تعلق انہی باتوں سے زیادہ سمجھ کر انہی پر زور دینے کی کوشش کی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تیوہار کی برائیوں کی جانب توجہ دلا کر اُن کی اصلاح کرنا مدِ نظر ہو۔ ممکن ہے اس طرح اخلاقی خوبیاں پنہاں نکلیں، لیکن شاعری کے اعتبار سے نظم میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ اکثر اوقات بندش سست اور مصرع کمزور ہیں۔ صحت لفظی کا بھی کہیں کہیں نقص موجود ہے متروکات کا استعمال بھی ہے۔ بہر حال دوالی پر جیسی دلچسپ اور مکمل نظم نظیر لکھ سکتے تھے یہ اس قسم کی نہیں۔ لیکن آخر میں نظیر نے اپنے رنگ کی خصوصیت قائم رکھی ہے۔ جواریوں کی برائیاں دکھا کر ان کا فطری رحم جوش میں آتا ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ کہیں میری باتوں سے اِن لوگوں کا دل نہ دُکھا ہو۔ اس ڈر سے فوراً اِن کی اشک شوئی کرنے کے لیے وہ اپنے کو بھی اُن کے زمرہ میں داخل کر کے کہہ اُٹھتے ہیں:۔

یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ اِن کو جانیو یارو	نصیحتیں ہیں انہیں دل سے مانیو یارو
جہاں کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو	جو جواری ہو نہ برا اس کا مانیو یارو

نظیر آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

شریفوں کا شیرنی کی حالت زار پر رحم کھا کر جناب مقدس میں عرض کرنا اور وہاں سے جواب ملنا، بچے لیجانے والے بادشاہ کی تنبیہہ ہونا اور اسکا خوف سے تھرّا کر بچے روانہ کرانا، بچوں کا بخفت میں آنا ماں سے ملنا اور شیرنی کا اظہار سپاس و احسانمندی، یہ تمام واقعات اس خوبی کے ساتھ بیان کئے ہیں جنکا لطف بار بار پڑھ کر دل ہی خوب محسوس کر سکتا ہے۔ بہرحال اس نظم کا کوئی بند کیف سے خالی نہیں اور پوری نظم ادب و آرٹ کی ایک اختراع نائقہ ہے۔ ایک مذہبی نظم کو جس کا تعلق محض ایک فرقہ کے عقیدت مندانہ حسیات سے ہو اس قدر دلچسپ، عام پسند اور مکمل بنا دینا صرف نظیر کا کام تھا۔ سچ ہے جس شخص کا اخلاق ظرف اور استغنا اس حد تک بڑھا ہوا ہو کہ وہ حضرت علی علیہ السلام جیسے صاحب جود و سخا کی بارگاہ کرم سے صرف آبرو کا طالب ہو وہی ایسی بلند پایہ نظمیں لکھ سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آبرو دنیا کی نعمتوں میں سب سے زیادہ فائق ہے اور اس کی طلب سے نظیر کے نفسیات کی پاکیزگی اور علو کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس شخص کا دماغ تکمیل کے ایسے اعلیٰ نقطہ پر پہونچا ہو اس کے منہ سے کیونکر کوئی معمولی شعر نکل سکتا ہے۔

دوالی کی نظم ایک معاملہ بندانہ نظم ہے جس میں رندانہ خیالات کی اول سے آخر تک بھرمار ہے لیکن نظم میں معاملہ بندی کی پوری داد نہیں دی گئی، دوالی کی صرف سطحی باتوں پر نظر ڈالی ہے دلچسپ باتوں کو نہ معلوم کیوں نظر انداز کیا

موثر ہے کہ بے اختیار جی بھر آتا ہے اول کے دو مصرعوں سے شیرنی کی بے فکری اور مسرت کا اظہار ہوتا ہے اور آخر کے تین مصرعوں سے غم کی پوری کیفیت طاری ہو جاتی ہے، آخر کا مصرع خصوصاً نہایت پُر درد ہے، بہائم کے بچے حالانکہ جنگل میں اکیلے رہتے ہی ہیں اِن کا ماں باپ سے چھوٹ جانا بھی کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن شاعر کے انداز بیان نے منظر کو اِس قدر پُر درد بنا دیا ہے کہ یہ دیکھ کر کہ بچے **جنگل** میں اکیلے رہ گئے کلیجہ مُنہ کو آنے لگتا ہے۔ جب شیر اور شیرنی باحالت تباہ واپس آئے اور دونوں بچّے گھر میں نہ دیکھ کر شیر سے ضبط نہ ہو سکا تو وہ غش کھا کے گر پڑا لیکن شیرنی نے جو رویّہ اختیار کیا اس سے نہایت عالی ہمتی کا ثبوت ملتا ہے۔ مادرانہ محبت کی فوقیت اور نسائیانہ ضبط و تحمل کو اس طرح دکھایا ہے:۔

وہ شیر کھا کے غش گرا اکبار کر کے آہ　　　اور شیرنی نے لی نجف اشرف کی واں سے راہ

سر پیٹتی چلی وہ بیاباں سے سوگوار

آگے چل کر شیرنی کی مصیبت اور بیکسی کی تصویر جن پُر درد الفاظ میں کھینچی ہے وہ آپ اپنی مثال اور دل ہلا دینے والی چیز ہے شیرنی کے دفعتاً بازار نجف میں پہونچ جانے سے وہاں کے باشندوں میں جو تھلکہ پڑا اس کے بیان میں محاکات خوف و انتشار کا پورا پورا حق ادا کیا ہے، روضۂ انور پر پہونچنے کے بعد شیرنی کی حالت کا مرقع مصوری کی تکمیل اور جذبات نگاری کی انتہا ہے

آخر زندان بھیک منگائی ہے مفلسی

معجزہ حضرت علی علیہ السلام ایک شیعیانہ او عقیدت مندانہ نظم ہے لیکن اِس کا اختتام سپاس مندانہ الفاظ میں ہے معجزہ کی واقعیت کا کوئی پتہ نہیں چلتا، اگر یہ مان لیا جائے کہ معجزہ واقعی ہوا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نظیر تک اس کی اطلاع کیونکر پہنچی اور راوی کس حد تک معتبر ہے، غالب گمان یہ ہے کہ معجزہ کا واقعہ نظیر کی خیال آرائی کا ثمرہ ہے لیکن جس ذات سے معجزہ منسوب کیا جاتا ہے چونکہ اس سے ایسے ایسے لاکھوں معجزے ظہور میں آئے ہیں اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ نظیر کا خیال غیر فطری یا خلاف عادت واقعہ کی طرف رجوع ہوا، بہرحال ہمیں اس سے بحث بھی نہ ہونی چاہئیے کیونکہ یہ کام وقائع نگاروں اور مورخوں کا ہے ہمیں تو صرف شاعرانہ اعتبار سے نظم پر نگاہ ڈالنی ہے معجزہ کی ابتدا بالکل اس طرح ہوتی ہے جیسے کہ کوئی شخص بیٹھا ایک جماعت کے روبرو کچھ بیان کر رہا ہے کسی واقعہ یا قصہ کے شروع کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے:۔

سُنئے ہوائے علیؑ کے محبان دوستدار — اک معجزہ میں کہتا ہوں اس شہ کا آشکار

ہے تازہ واردات یہ از نقل روزگار — تھا کوئی شخص دولت و حشمت میں نامدار

اک روز وہ گیا تھا کہیں کھیلنے شکار

دوسرے بند میں شیر و شیرنی کے مسکن کا نقشہ ہے لیکن تیسرا بند اسقدر

یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

دلچسپ عنوانات اور رنگین موضوعات پر لکھ کر نظم کو مقبول اور دلچسپ بنا لینا کوئی بڑی بات نہیں، دوسرے درجہ کے شعرا بھی ایسا کر لیتے ہیں، لیکن خشک مضامین میں شعریت پیدا کرنا اساتذۂ طبقہ اول کا کام ہے۔ اس قسم کی نظموں سے میاں نظیرؔ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہر چند وہ مفلس نہ تھے بلکہ برخلاف اس کے نہایت فارغ البالی اور بےفکری سے بسر کرتے تھے لیکن پھر بھی اُنہوں نے مفلسی کی حالت اس خوبی سے لکھی ہے گویا خود اُن پر یہ حالت گزر چکی ہے۔ یہ شیکسپیئر کی خصوصیت اول سمجھی جاتی ہے لیکن نظیرؔ میں بھی کمال کے ساتھ موجود ہے۔ یہ کہنا کہ یہ نظم بیساختہ اور غیر مصنوعی ہے نظیرؔ کے لئے کوئی ستایش نہیں لیکن اس کے علاوہ اور بھی محاسن ہیں اور وہ مجملاً یہ ہیں کہ باوجود طویل ہونے کے نظم میں بدمزگی اور توارد نہیں، ہر جگہ ایک نیا خیال نظم کیا گیا ہے اور جو خیال جس موقعہ پر ہے اس کا پورا حق ادا کیا گیا ہے، زبان بہت صاف ہے اور متروکات کا استعمال شاذ ہے۔ یوں تو مفلس کی مجبوریاں ہر جگہ نہایت افسوسناک ہیں لیکن یہ بند کس قدر دل شکن اور دردآمیز ہے۔

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کو آن کو	سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
سو محنتوں میں اسکی کھپاتی ہے جان کو	چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جو سے جو چانول سے چانول پاوے گا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا وہ کل واں پاوے گا
کل دیوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا کلپاوے گا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہات لے

مفلسی مصورانہ نظم ہے لیکن موضوعِ مصوری چونکہ کوئی دلچسپ چیز نہیں اس لئے نظم میں کوئی خاص لطافت و جاذبیت پیدا نہیں ہوتی۔ نظیر کے کلام میں یہ ایک معمولی سی نظم ہے اس میں کوئی خاص حسن شعری نہیں۔ نہ عمق تخئیل ہے نہ رنگینیٔ الفاظ مگر سادہ الفاظ میں بھی جو کچھ بیان کیا ہے وہ واقعات کا بالکل سچا عکس ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ ہر چیز کا صحیح اندازہ تجربہ کے بعد ہوا کرتا ہے دنیا کی بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کو بہت سے لوگ کبھی سمجھ ہی نہیں سکتے اس لئے کہ وہ کبھی اُن کے تجربہ میں نہیں آئیں مثلاً ایک دولتمند جو ہمیشہ عیش و عشرت میں بسر کرتا رہے عسرت و مفلسی کی تکالیف سے کما حقہٗ واقف نہیں ہو سکتا، میاں نظیر نے اس موقعہ پر کتنا سچ فرمایا ہے۔

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی کس کس طرح سے اسکو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی بھوکا تمام رات سُلاتی ہے مفلسی

جملے تلاش کئے ہیں وہ بجائے خود قابل داد اور کانٹے کے تلے ہوئے ہیں، ہر ٹکڑا اپنے مقام پر شاعر کی تلاش اور قادر الکلامی کا بین ثبوت ہے بحر ایسی ہے جس کا ترنم معلوم ہوتا ہے معنی فطرت نے خاص اسی نظم کے لئے وضع کیا ہے

کانٹا کسی کے مت لگا گرشل گل پھولا ہے تو
وہ تیرے حق میں زہر ہے کس بات پر پھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو پھر گھانس کا پولا ہے تو
سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر بھولا ہے تو
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہات لے

نظیر کے ناصحانہ کلام میں یہ نظم ہمارے نزدیک ہر اعتبار سے جملہ کلام پر فوقیت رکھتی ہے، اس کی بیش قیمت نصائح اس قابل ہیں کہ ہم انہیں اپنے بچوں کے نصاب تعلیم میں داخل کریں تاکہ انہیں خوش اخلاقی اور نیک کرداری کی تلقین ہو اور وہ آیندہ زندگی میں دنیا کے انقلابات اور عالم کے تغیرات سے ڈرتے رہیں حقیقت یہ ہے کہ اعمال کی سزا و جزا کی تشریح اس سے بہتر نہیں ہو سکتی، لقمان جو نصیحت اپنے عارضی آقا کو کرنے کے لئے مدت تک موقعہ کا منتظر رہا وہ نظیر ان سادہ الفاظ میں فرماتے ہیں زبان کی سادگی اور عام فہمی کی کہاں تک توصیف کیجائے۔ سنئے۔

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

کلجگ ایک واعظانہ نظم ہے جس کا لہجہ قلندرانہ اور ڈھنگ فقیرانہ ہے جو نفس مضمون سے پوری مطابقت کرتا ہے۔ یہ نظم بہت پر اثر اس لئے ہے کہ ان کی ہر نصیحت آزمودہ کاری پر مبنی ہے اس کو پڑھ کر بُرے سے بُرا اور سخت سے سخت دل ظالم بھی ایک مرتبہ تھرا اٹھتا ہے اور اپنے افعال قبیحہ کا نتیجہ بد اپنے سامنے پھرتا دیکھنے لگتا ہے۔ جس شاعر نے نظیر کی طرح تقریباً ایک صدی دنیا میں رہ کر اس کے نشیب و فراز کو دیکھا اور باہمہ گر تعلقات کو برتا ہو وہی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ دنیا جائے مکافات ہے اس میں جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی ساتھ لے
نیکی کا بدلہ نیک ہے بد سے بدی کی بات لے

نظم کی بہت بڑی اور بڑی ضروری خوبی یہ ہے کہ افعال کا باہم توازن کیا ہے یعنی یہ کہ جس قسم کی نیکی کروگے اسی قسم کا بدلہ ملے گا، جس انداز کی برائی پر کمر باندھو گے اسی طرز کا بدلہ سہنا پڑے گا۔

میوہ کھلا میوہ ملے، پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے

اظہار خیال اور افعال نیک و بد کی مصوری کے لئے جیسے مناسب

اب شاعر کی جمعیت خاطر اور طمانیت نفس دیکھئے ایسی نازک حالت اور ایسے پُر آشوب وقت میں افعال اخلاقی اور اعمال حسنہ کی تلقین کرتا ہے، اظہار خیال کے لئے سفر کا تلازمہ اختیار کیا ہے، اور اول سے آخر تک اسی خوبی کے ساتھ قائم رکھا ہے، اب زندہ دلی ملاحظہ فرمایئے ایسی خشک و سنجیدہ نظم میں بھی ظرافت سے باز نہیں رہتے۔ چھٹا بند ملاحظہ کر لیجئے۔

خوشامد ایک آزمودہ کارانہ نظم ہے جس سے نظیر کی عالی ظرفی اور پختہ خیالی کا ثبوت ملتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت سلجھی ہوئی طبیعت پائی تھی اور بڑے دور بیں و مآل اندیش تھے۔ اور ان سب باتوں کی اس نظم سے بالواسطہ تلقین ہوتی ہے۔ خوشامد سے یہ مطلب نہیں کہ آدمی کمینوں کی طرح مبتذل خوشامد کرے اور اپنے کو اس قدر گرا دے کہ خودداری پر حرف آ جائے بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ دنیا میں عموماً نیک برتاؤ اور اس طرح کا عمل کرے جس سے نہ کسی کا دل دکھے نہ کسی کو آزار پہنچے۔ دوسرے لفظوں میں منکسر اور منکسر مزاج رہنے اور غرور و تکبر سے پرہیز کرنے کی تلقین ہے واقعہ یہ ہے کہ خوش خلق اور جھک کر ملنے والے کی سوسائٹی بڑی عزت کرتی ہے۔

آ پڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اسے ڈھونڈتے پھرتے ہیں الفت کے خریدار اسے
آشنا ملتے ہیں اور چاہے ہیں سب یار اسے اپنے بیگانے غرض کرتے ہیں سب پیار اسے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی اور دیکھ اجل سر دھنتی ہے
اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اس نظم میں ایک اور خاص لطف یہ ہے کہ موت کی قربت کی علامات بیان کی ہیں اور وہ بالکل "بنین" کی مشہور تمثیلی تصنیف "پلگرمس پروگریس" کے بعض مقامات سے ملتی جلتی ہیں۔ جن حضرات نے اس کتاب کو پڑھا ہے وہ سمجھ لیں گے کہ کرسچین اور اس کی زوجہ کی علامات مرگ ذیل کے بند سے کس قدر یگانگت رکھتی ہیں۔

سر کانپا چاندی بال ہوئے منہ پھیلا پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیا سے گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سست ہوا آواز نہیں
جو ہونی تھی سو ہو گزری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ع عشق جو کرتا ہے سنتے ہیں جوان مر جائے ہے لیکن اگر کوئی عاشق بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس غریب کو جیتے جی موت آ جاتی ہے، قوی بوڑھے ہو جاتے ہیں مگر دل جوان رہتا ہے اسکی وہی حالت رہتی ہے مگر احول بدل جاتا ہے پیا اس کو جو جو مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں اسی کا دل خوب جانتا ہے، سچ ہے

حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

نظیر کی یہ نظم نہایت مشہور و مقبول ہے اور آرٹ کے اعتبار سے ممتاز ہی نہیں بلکہ اختراع فائقہ سمجھی جاتی ہے شہباز لکھتے ہیں کہ یورپ میں خصوصاً بہت مقبول و دلپسند ہے۔ ڈاکٹر فیلن بھی اس کے بڑے مداح ہیں۔

فقیروں کی صدا ایک ناصحانہ نظم ہے جس کا لہجہ قلندرانہ ہے۔ نظم کا تخاطب بوڑھوں سے ہے اور مضمون مختصر طور پر یہ ہے کہ اب زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں ہر لمحہ موت کے لیئے تیار رہنا چاہیئے دنیا کے جس قدر تعلقات ہیں ان کو ختم کر دو اور عقبیٰ کی فکر میں لگو، نظم کو پڑھ کر حسرت و یاس کے جذبات کا ہجوم ہوتا ہے اور دل بے اختیار بھر آتا ہے زندگی کا اختتام اور موت کی قربت کچھ ایسے پر اثر، مناسب حال، اور موزوں الفاظ میں بیان کی ہے جس سے بے بسی کا عالم طاری ہوتا ہے، کہتے ہیں

ہے تو اس نظم میں اُس کا بہترین مصرف ہوا ہے۔

بڑھاپے کی نظم بہت سے عناصر کا مجموعہ ہے۔ آزمودہ کاری، خوش طبعی، ظرافت، رندی تو ایسے اجزا رہیں جو سطح پر نظر آتے ہیں لیکن اگر تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو ساری نظم عبرت کا نہایت پُر تاسف درد انگیز مرقع ہے، جوانی میں جو باتیں جزو فطرت اور طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہیں وہ پیری میں کیونکر چھوٹ سکتی ہیں لیکن زمانہ ان کو جائز نہیں رکھتا اور عمر اس کی اجازت نہیں دیتی۔ بڑھاپے کی تکلیفیں خود ہی کیا کم ہوتی ہیں اس پر یہ اور ستم ہے کہ مشاغل لطف و مسرت سے بھی ہاتھ اُٹھا لینے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ دست کش ہونا نہ ہونا تو اپنے ہاتھ کی بات ہے لیکن یہاں تو یہ مجبوری آ پڑی ہے کہ عیش و مسرت خود ہم سے ہاتھ اُٹھائے لیتے ہیں اور بالکل خیرباد کہنے کے لئے تیار ہیں، ہم تو لاکھ چاہیں کہ جوانانہ افعال ہم سے سرزد ہوں لیکن دیکھنے والے بھی تو ان کا اعتراف کریں، ہیہات ان کا تو یہ حال ہے۔

نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹوں کی بناوے
چل کر کوئی کُبڑے کی طرح قد کو جھکا دے
ڈاڑھی کے کبھی کنگھی کو لا لا کے بجاوے
یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھا دے
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا

ایک حرف نہیں بتایا جا سکتا اس نظم میں شباب کی بے لگام عیش آرائیوں اور بے حجاب لطف اندوزیوں کا منظر تو پیش نظر کیا ہی گیا ہے لیکن بیان میں جس قدر بے ساختگی و بے باکی ہے اس نے نظم میں ایک خاص کیفیت اور لطف مکرر پیدا کر دیا ہے اگر انداز بیان میں ثقاہت یا سنجیدگی سے کام لیا جاتا تو عنوان کی پوری پوری داد نہ دی جا سکتی تھی۔ فطری جذبات کی فطری داد صرف فطری شاعر دے سکتا ہے اور صرف وہی فطری لطف برانگیختہ کر سکتی ہے۔

جوانی وہ عمر ہے جس میں انسان اندھا ہوتا ہے اور اس میں جو کچھ نہ کر بیٹھے تھوڑا ہے، شباب کی کارفرمائیاں کہاں تک گنائی جائیں ہر شخص اپنے دل سے پوچھ سکے آہ کیا حالت ہے۔

لڑتی ہے کہیں آنکھ کہیں دست کہیں سین
چھوٹا ہے کہیں پیار کسی سے ہیں لگے نین

وعدہ کہیں اقرار کہیں سیں کہیں نین
نے جی کو فراغت ہے نہ آنکھوں کے تئیں چین

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

یہ نظم فی الحقیقت کسی تبصرہ کی محتاج نہیں، ہر بات اس قدر صاف ہے کہ کسی تشریح و وضاحت کی حاجت باقی نہیں رہ گئی یہ آرٹ اگر عریانی کا نام

جذبات کا صحیح نقشہ اس میں موجود ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بچپن نکل جانے کے بعد جب دنیا کے آلام و مصائب انسان کو گھیرتے ہیں تو طفلی کی بیفکریاں اس کو یاد آتی ہیں اور بے اختیارانہ اس کے منہ سے نکل جاتا ہے۔

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

اِس نظم کی زبان بہت صاف ہے لیکن کہیں کہیں متروک الفاظ جیسے دوں، گھرنا، اونٹے، وغیرہ کا استعمال ہے۔ دیکھئے بچوں کی بے تصنع زندگی اور طمانیت نفس کا کیا سچا مرقع ہے۔

جوان کو دو سو کھا لیکن پھیکا ہو یا ساونا ہیں بادشہ سے بہتر جب مل گیا کھاونا

جس جا پہ نیند آئی پھر واں سے اُنکو سونا پروا نہ کچھ پلنگ کی نے چاہیے بچھونا

بھونپو کوئی بجالے پھرکی کوئی نچالے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

اِس محبت بھری نظم کا جو ہر صاحب اولاد کے نازک تریں حیات کو برانگیختہ کرتی ہے اِس سے بہتر کیا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جوانی عاشقانہ و جوانانہ نظم ہے مگر رندانہ طرز و انداز میں لکھی گئی ہے اور جوانی دیوانی کی کرشمہ سازیوں سے سرتاپا لبریز ہے لیکن فطرت کے خلاف

تشبیہوں میں ہندو مسلم جذبات کا توازن قائم رکھا ہے پوری نظم سنجیدہ خیالات عبرت آموز واقعات اور سود مند پند و نصائح کا ایک پُر معنی چمن ہے جس میں عبرت کے پھول جا بجا کھلے ہوئے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ حوادث و تغیرات عالم کا اس سے بہتر اور مؤثر الفاظ میں تجزیہ بہت دشوار بلکہ محال ہے دیکھئے یہ بند کیسے کیسے اولو العزم راجاؤں اور عالی نسب فرماں رواؤں کے واقعات پارینہ یاد دلاتا ہے جن کا اب صرف نام ہی نام دنیا میں باقی رہ گیا ہے۔

یا راج بنسی ہو کر دنیا میں راج پایا | چتوڑ گڑھ ستارا کالنجر آ بنایا
جب توپ نے اجل کی آ مورچہ لگایا | سب اوڑ گئے ہوا پر کوئی نہ کام آیا

گڑھ کوٹ توپ گولہ سنگھ ہوا تو بکھر گیا

طفلی کے عنوان سے جو نظم ہے وہ نہایت پاکیزہ، سادہ رنگ اور فطری جذبات سے مملو ہے۔ ہندوستانی شعرا میں ایسے بہت کم ہیں جنہوں نے علاوہ جوانی کے اور کسی حصۂ عمر پر نظر ڈالی ہو اور سوائے عاشقانہ جذبات محبت کے اور اصناف محبت سے بھی متاثر ہوئے ہوں لیکن نظیر کی ہمہ گیری ان خصائص سے بھی خالی نہیں "طفلی" قطعی ہندوستانی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور دوسرے ممالک کے بچوں پر صادق نہیں آسکتی، ہندوستانی بچوں کی معاشرت، ان کے ناز و نعم سے پرورش کئے جانے کے حالات اور بچوں کے متعلق والدین کے

جو سطح سمندر پر اڑ رہا ہو اپنے بازو پھیلا دیتی ہے میں جانتا ہوں تو میرے گانے میں دلچسپی لیتا ہے، میں جانتا ہوں کہ صرف ایک مغنی کی حیثیت سے میں تیرے حضور میں آتا ہوں۔

• میں اپنے وسیع البسط بازوئے نغمہ کے کنارے سے تیرے قدموں کو چھو لیتا ہوں، جن تک پہنچنے کا حوصلہ میں کبھی نہیں کر سکتا تھا،

مسرت سرود سے سرشار ہو کر میں اپنے تئیں بھول جاتا ہوں اور تجھے اپنا دوست کہتا ہوں حالانکہ تو میرا مالک و آقا ہے۔"

ذکر مرغان میں علاوہ معنوی خصائص کے لفظی و شعری صنائع بھی ہیں الیٹریشن (یعنی ایک حرف سے شروع ہونے والے الفاظ کا با لالتزام ایک ہی مصرع میں ہونا) کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے، نظم کو ذرا لحن کے ساتھ پڑھنے سے نہایت خوشگوار ترنم پیدا ہوتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چڑیاں چہچہا رہی ہیں۔

فنا نامہ ایک عبرت مندانہ نظم ہے۔ میاں نظیر کو جو دلچسپی تاریخ سے تھی وہ اس سے صاف ظاہر ہوتی ہے، پوری نظم اول سے آخر تک عبرت کا ایک بسیط اور دردمند سبق ہے اہل بصیرت کے لئے اس سے زیادہ سامان پند نصیحت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا۔ زبان نہایت صاف ہے لیکن خال خال قدیم اصطلاحات کا استعمال ہے جو اس وقت نامانوس معلوم ہوتی ہیں لیکن فی الحقیقت ان کا استعمال ناگزیر تھا یہ نادر اور

در پسِ پردہ چو طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ اُستادِ ازل گفت بگو میگویم

حافظؔ کا خیال ہے کہ مثل چڑیوں کے جو کچھ خدا مجھ سے کہلواتا ہے کہتا ہوں لیکن نظیرؔ اپنی دردمند خموشی کو محسوس کر کے چڑیوں کی حالت پر رشک اور اپنی غفلت پر افسوس اور ملامت کرتے ہوئے کہتے ہیں:—

کس کس کا لوں نام غرض ہیں جتنے طائر خورد و کبیر
کوئی کہے یا حیّ توانا کوئی کہے یا ربّ قدیر
طائر تو سب یاد کریں اور ہم غفلت میں رہیں اسیر
ہم سا غافل دنیا میں اب کوئی نہ ہوگا آہ نظیرؔ

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

غالباً وہ اسی قسم کا جذبہ تھا جس نے ٹیگور کے دل میں یہ صورت اختیار کر لی ہے۔

"جب تو مجھے گانے کا حکم دیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا قلب (اس لطفِ پرستش کی سمائی اپنے دل میں نہ پا کر) فخر و غرور سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، میں تیری صورت دیکھتا ہوں اور میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں جو کچھ میری زندگی میں سخت و کرخت ہے ایک شیریں نغمہ واحد کی غور میں ترتیب ہو کر تبدیل ہو جاتا ہے اور میری پرستش اس مسرور طائر کی طرح

حقیقت کا کس قدر سچا مرقع ہے۔

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے کنے | اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چابنے چنے | جو تندرست ہیں وہی دولہا ہیں اور بنے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اِس بند کی صداقت میں کسے انکار ہو سکتا ہے یہ واقعہ ہے کہ علالت میں کوئی چیز بھلی نہیں معلوم ہوتی اور تندرستی میں اگر سردپانی بھی پیو تو شیر و شہد کا مزہ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعدی سا حقیقت شناس حکیم تندرستی کو لوازم حیات میں نہایت ضروری سمجھتا ہے۔

اے خالق ہر بلند و پستی | شش چیز عطا بکن ز ہستی
علم و عمل فراخ دستی | ایمان و امان تندرستی

ذکر مرغان ایک پُر رمز صوفیانہ نظم اور اُردو میں بالکل نئی چیز ہے یہاں نظیر نے اپنے مجدّد اور موجد رنگ ہونے کا ثبوت دیا ہے اور شاعرانہ معنیانہ آرٹ کی پوری پوری تکمیل کی ہے وہ ہر شام و سحر طیور اور حشرات الارض کی آوازوں میں نغمۂ وحدانیت سنتے اور اُسے صوت سرمدی کی آواز بازگشت سمجھ کر اس پر وجد کرتے ہیں۔ لیکن حافظؒ اپنی ہستی کو بھی طائر کی معنیانہ حیات کا مرادف سمجھ کر یکبارگی کہہ اُٹھتے ہیں۔

اور دو بالا ہوتی ہے، آگے چل کر عمارت کی صناعیاں الفاظ میں منتقل کی ہیں اور محاکات کا پورا پورا حق ادا کیا ہے، قادر الکلامی کی انتہا ہے کہ سنگتراشی کے نازک ترین نمونے اور کامل ترین صنعتیں کاغذ پر دکھائی ہیں دیکھئے

سنگین گل جو اس میں بنائے ہیں نہ نشان
پتے کلی سہاگ رگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

آخر بند سے پہلے دو بند باغ کی تعریف میں ہیں جنکو پڑھنے سے غیر معمولی شگفتگی پیدا ہوتی ہے اور طبیعت نہایت تروتازہ ہو جاتی ہے۔ کسل و انقباض کے لمحوں میں اس نظم سے بہتر رفیق کوئی نہیں ہو سکتا۔ تمام تکدر اور اداسی آن واحد میں فرو ہو جاتی ہے ہمارے نزدیک شعر کی یہ بہترین خدمت ہے اور اسی کا نام تکمیل شاعری ہے

تندرستی نامہ ایک اعلیٰ درجہ کی ناصحانہ نظم ہے جس کی ابتدا واعظانہ انداز میں ہوتی ہے۔ اس میں اول سے آخر تک یہ جتانے کی کوشش کی ہے کہ دنیا میں آبرو کے ساتھ اور تندرست رہنا دونوں بہت بڑی نعمتیں ہیں اور آگے چل کر اسی خیال کو وسیع کیا ہے اور جا بجا اسی کی تشریح کی ہے اور مختلف مثالیں دے دیکر سمجھایا ہے۔ زبان کے اعتبار سے یہ نظم نہایت صاف ہے البتہ کہیں کہیں متروک الفاظ کا استعمال ہے، دیکھیے یہ بند

دکھائی ہے۔ اس کے بعد پرندوں کا اضطراب دکھایا ہے اور یہ وہی کیفیت ہے جو انسان کے مرجانے کے بعد ہوتی ہے آخر کے پانچ بندوں میں پرندوں کی درماندگی اور بیچارگی جو انسانی عاجزی کی مرادف ہے دکھائی ہے آخر کے بند میں ساری نظم کا لب لباب ہے فرماتے ہیں

دنیا کی جو الفت ہے تو اسکی ہی یہ کچھ راہ — جب شکل یہ ہو وے تو بھلا کیونکر ہو نہ براہ
ناچاری ہو جس جا تو وہاں کیجئے کیا جاہ — سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نگاہ

آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

روضۂ تاجگنج چونکہ عمارت کے متعلق ہے اس لئے اس کو مصورانہ نظم کہہ سکتے ہیں، نظم کا لہجہ وصّافانہ ہے لیکن لوکل کلر یا مقامی رنگ کی صنعت پوری پوری موجود ہے۔ یہ نظم شاعرانہ مصوری کا بہترین نمونہ ہے کہیں شاعرانہ مبالغہ یا تعلّی سے کام نہیں لیا گیا بلکہ عمارت وچمن کی صحیح تصویرکشی کی ہے گر اس سادہ بیانی اور سادگی میں ایسی دلکشی ہے کہ ہزار رنگ آمیزیاں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں، کلس کے ہلال کی سادہ اور فطری تعریف اس سے بہتر الفاظ میں اور کیا ہوسکتی ہے، کہتے ہیں۔

اور وہ کلس جو ہے سر گنبد پہ سربلند — ایسا ہلال اس پہ سنہرا ہے دلپسند

ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

اس کے بعد کے بند کی لطافت بار بار پڑھنے سے اور زیادہ بڑھتی

دوسری معنوی خصوصیت یہ ہے کہ مختلف اقسام کے پرندوں سے مختلف قسم، خیال، مزاج، ہیئت و طبائع کے انسان مراد ہیں۔ ہر طائر کی حیثیت و اہلیت کے مطابق اس کے ساتھ اوصاف منسوب کئے گئے ہیں اور وہ جس خدمت کی صلاحیت رکھتا ہے وہی اُس سے وابستہ کی گئی ہے۔

مثلاً بلبل چونکہ چھوٹی چڑیا اور بہار کی مغنیہ ہے اس لئے اس کے سپرد گانے کا کام ہے۔ کوئلے اور کویل کے دل میں سانحہ کی محبت دکھائی ہے اسلئے کہ یہ ہمیشہ سے ناکام اور رازل سے اہل درد ہیں، کھنجن اور کلنگ چونکہ قوی الجثہ پرند ہیں اس لئے وہ چنگ بجانے پر مامور ہیں، سیمرغ ایک عالی حوصلہ اور محتشم پرند ہے اس کی عظمت اسطرح قائم رکھی ہے کہ وہ ملنے کا شائق ہوا، گرگھ پنکھہ چونکہ جسیم مگر ادنیٰ طبقہ کا پرند ہے اس لئے اُسے پنکھا جھلنے کا کام دیا گیا ہے غرض کہ جس طائر کی حیثیت و جثہ کے موافق جو خدمت تھی وہ اسے سپرد کی گئی ہے۔ آٹھویں اور نویں بند میں چڑیوں کی پرامن و سکون شاد و خرم زندگی کا مرقع پیش کیا ہے لیکن دسویں اور گیارہویں بند میں لطف شاہانہ زائل ہوتے دیکھ کر دل پر رقت دیا اس کی کیفیت طاری ہوتی ہے جس وقت انسان مرنے لگتا ہے اور اس کو اپنے اقربا سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے کا یقین ہو جاتا ہے تو اسی قسم کی باتیں کرنے لگتا ہے کبھی سے اپنی تقصیر بحل کراتا ہے کسی سے رخصت ہوتا اور کسی کو وصیت کرتا ہے غرض کہ عجب پُرحسرت سماں ہوتا ہے جس کے خیال سے جی تھرّاتا ہے وہی کیفیت اس وقت سانحہ کی

ہنس نامہ ایک مشہور حکیمانہ نظم اور ایلیگری ہے۔ اس میں دو نصیحتیں پہلو بہ پہلو کی گئی ہیں اول اور بالکل نمایاں تو یہ ہے کہ انسان کی زندگی عارضی ہے، جب وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو صرف تنہا جاتا ہے کوئی دوسرا خواہ کیسا ہی ہمدم و رفیق ہو ساتھ نہیں دیتا، دوسری اور کسی قدر سطح سے نیچے یہ ہے کہ محبت سے اس قدر مغلوب نہ ہونا چاہئے کہ اپنی حقیقت و ماہیت نظروں سے نہاں ہو جائے بلکہ قبل اس کے کہ تجربہ نااہل ثابت کرے ہمیں خود اپنی طاقت کا اندازہ کر لینا چاہئے۔ اب ہنس نامہ کی نفس شاعری کو لیجئے، اس کے بھی دو انداز ہیں ایک تو ناصحانہ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اور دوسرا حاکیانہ۔ نظم میں حکایت یہ ہے کہ ایک ہنس نے کسی شہر سے آکر ایک بڑ کی کسی شاخ پر اپنا گھر بنا لیا، اس شجر پر رہنے والے جس قدر پرندے تھے سب کو چند روز میں اس سے کمال محبت ہو گئی آخر کار ہنس کے وطن جانے کا دن آیا پہلے تو پرندوں نے اس بات کو باور کرنا نہ چاہا لیکن جب یقین ہو گیا کہ یہ کسی طرح نہیں رک سکتا تو اس کی محبت نے یہاں تک مجبور کیا کہ اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے ہر ایک اپنی ہمت و طاقت کے مطابق اس کے ساتھ اڑا آخر کو سب نے تھک تھک کر لوٹنا شروع کیا اور ہنس اکیلا ہی سدھارا۔ اس نظم کی ایک بہت بڑی ظاہری خصوصیت یہ ہے کہ طیور کے نام کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں ایک مقام پر اتنے نام اردو میں غالباً کہیں نہ ملیں گے اس سے شاعر کی واقفیتِ عامہ اور زباندانی کا کمال ثابت ہوتا ہے۔

یکے پاسبان و یکے بادشاہ　　یکے داد خواہ و یکے تاج خواہ
یکے باجدار و یکے تاجدار　　یکے سرفراز و یکے خاکسار
یکے بینوا و یکے مالدار　　یکے نامراد و یکے کامگار

آدمی نامہ جیسی سنجیدہ نظم میں کہیں کہیں ظرافت کا چٹپٹا پن بھی موجود ہے اور کیوں نہ ہو شاعر کا فطری چلبلا پن کسی طرح چھپائے نہیں چھپ سکتا ایک جگہ کہتے ہیں،

اور آدمی ہی ان کی چُراتے ہیں جوتیاں

ممکن ہے کہ نظیر عیدگاہ یا جامع مسجد میں نماز پڑھنے کو گئے ہوں، جوتہ لامحالہ دروازہ پر اُتار دیا ہوگا کوئی صاحب موقعہ دیکھ کر اُٹھا لے گئے ہوں گے یا اور کسی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو اور یہ اُس وقت دیکھ رہے ہوں - ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں -

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال　　اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال

اس شعر کا کسی قدر تعلق تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، نظیر کے زمانہ میں پنڈاریوں کی رہزنی شباب پر تھی اور اُنکی دست برد سے مسافروں کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں پہونچتی تھیں - یہ لوگ دہوکا دیکر مسافر کو لگا لاتے تھے اور موقعہ پاکر گلے میں رومال ڈال پھانسی دیتے اور چشم زدن میں مار ڈالتے تھے پھر اس کا مال و اسباب آپس میں بانٹ کر اپنے تصرف میں لاتے - اِس شعر میں غالباً اُس طرف اشارہ ہے -

واقعات دنیا کی گوناں گونی کی طرف مبذول کرنے کے لئے کہتے ہیں۔

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بینوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ایک شخص کو بادشاہ اور دوسرے کو ٹکڑے چباتا دیکھ کر خداوند عالم کے ناقابل درک رموز کا احساس ہونے لگتا ہے اور مشیت کا لاینحل نکتہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اس نظم کی سادگی، شستگی، اور روانی میں ادب القدما کی جھلک پائی جاتی ہے اور نظیر کی بیساختہ گوئی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ نظم اس قدر بے تکلف اور غیر مصنوعی ہے کہ مصرعوں پر نثر کا اطلاق ہو سکتا ہے، اگر مصرع کی نثر کرنا چاہیں تو الفاظ کی نشست و ترتیب بدلنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ میاں نظیر کا سایۂ کمال سوائے انیسؒ کے اساتذہ میں کوئی نہ پیدا کر سکا سعدیؒ نے بھی آدمی نامہ کی مانند ایک نظم "در صنعت حق تعالیٰ" کریما میں لکھی ہے۔ نظیر اور سعدی دونوں اساتذہ کا موضوع ایک ہی ہے لیکن نظیر نے صنعت حق کو مخصوص کرنے کے لئے آدمی کو اس کا مظہر قرار دے لیا ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہ انتخاب بہترین ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ نظیر کی نظم جس قدر بسیط اور جامع ہے سعدی کی نہیں، سعدی فرماتے ہیں:۔

گرم اپریل کے معطّر ایام میں، جنگل کے راستہ سے وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے
شبہائے جولائی کی باراں تاریکی میں بادلوں کے گرجنے والے رتھ پر وہ آتا ہے
اور ہمیشہ آتا ہے۔
تواتر الم کی حالت اسی کے قدم ہیں جو میرے دل کے اندر گرجاتے ہیں اور اسی کے
قدموں کا زریں مس ہے جو میری مسرتوں کو درخشاں بنا دیتا ہے۔"
دو افراد کا مقابلہ ہمیشہ ایک ناپسندیدہ کوشش ہے لیکن اتنا بتا دینا نہایت
دلچسپ ہوگا کہ ٹیگور کی نظم کے ہر ہر خیال کا مرادف عاشق نامہ میں مل سکتا ہے
دونوں نظموں کو ساتھ پڑھنے سے غالباً بہت لطف حاصل ہو سکے گا، اور دونوں
ایک دوسرے کے محاسن پر مزید روشنی ڈال سکیں گی۔
آدمی نامہ ایک قسم کی تمدنی نظم ہے جس میں انسانی سوسائٹی کے مختلف
و متباین مراتب دکھائے گئے ہیں۔ نظیر چونکہ انسان کے عاشق اور معاشرت
کے شیدائی ہیں، اس لئے وہ یہ نظم کہنے پر مجبور ہوئے، وہ دیکھتے ہیں کہ
ہر متنفس فطری اعتبار سے اور خدا کے نزدیک بھی ایک سی حیثیت رکھتا ہے
پھر کیا وجہ ہے کہ دنیوی اعتبار سے ہر شخص برابر اور حیثیت و شان میں یکساں
نہ سمجھا جائے، لیکن اپنے خیال اور مطمح نظر کے خلاف مراتب میں اختلاف اور
حیثیات میں تفریق دیکھ کر انہیں خاص تعجب ہوتا ہے اس لئے وہ انسانی معاشرت
و مشاغل کے مختلف پہلو ایک جگہ جمع کر کے دکھلاتے اور اہل بصیرت کی توجہ

بیساختگی وبلاغت کی انتہا ہو جاتی ہے۔ ہر بند بجائے خود اس قدر پرمعنی اور مکمل ہے کہ قوت انتخاب مجروح ہے لیکن مصرعہ کی ٹیپ کی جو ہر بند میں دہرائی جاتی ہے فصاحت و بلاغت و معنویت سب سے بالاتر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

نظیر تو دلبر کو ہر آن، ہر بات، ہر ڈھنگ میں پہچان لیتے ہیں لیکن ٹیگور کہتے ہیں کہ :-

"وہ وہاں ہے جہاں کاشتکار سخت زمین میں ہل چلا رہا ہے جہاں سڑک بنانے والا پتھر توڑ رہا ہے، وہ اُن کے ساتھ دھوپ اور بارش میں ہے اور اسکا ملبوس خاک میں اٹا ہوا ہے۔ یہ خرقہ سالوس اُتار کے پھینکدے اور اسی کی طرح خاک زمین پر اُتر آ"

دوسری جگہ اسی خیال کو ٹیگور نہایت پُرسکون و متین الفاظ میں یوں اظہار کرتے ہیں

"کیا تم نے اس کی خاموش آواز قدم نہیں سنی وہ آتا ہے، آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے۔

ہر لمحہ اور ہر عمر میں، ہر دن اور ہر رات وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے۔
میں نے بہت سے گیت مختلف کیفیات قلب میں گائے لیکن ان کا لحن ہمیشہ یہی رہا کہ وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے۔

اور الفاظ بحر سے اس طرح وابستہ ہیں کہ اسوقت یہ کہنا پڑتا ہے کہ اگر یہ نظم کسی دوسری بحر میں لکھی جاتی تو اس میں اتنی دلکشی اور جاذبیت پیدا نہ ہوتی اور نہ اس پر اختراع فائقہ کا اطلاق ہو سکتا تھا علاوہ اس رسائی طبیعت کے کہ بنجارہ کی خانہ بدوش زندگی سے انسان کی نقش بر آب ہستی کی تمثیل قائم کی ہے، اظہار خیال اور توسیع تخییل کے لئے الفاظ اتنے موزوں، مناسب اور جچے تلے منتخب کئے ہیں جن کا جواب ناممکن ہے الفاظ کثرت سے استعمال کرنے، نامانوس کو مانوس بنانے، اور مرادف بہم کرنے کی جو خصوصیت نظیر میں بدرجہ اتم ہے وہ اس نظم سے بخوبی عیاں ہوتی ہے اس بند کو دیکھئے۔

گر تو ہے لکھی بنجارہ اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری، کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقا سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

عاشق نامہ ایک عارفانہ نظم ہے اور اپنی طرز میں نہایت مکمل چیز ہے۔ اہل تصوف کے اعتقاد و یقین ہمہ اوست کی تشریح اس سے بہتر غالباً نہیں ہو سکتی۔ ساری نظم اول سے آخر تک نہایت صاف، بالکل سادہ و پاکیزہ اور عام فہم الفاظ میں ہے، اول تو نظم کا ہر ہر مصرع بیساختہ ہے لیکن ہر بند کے چوتھے شعر میں

اور حسن صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی — گلنار یا گلابی یا زرد سنج دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی — جھولوں میں جھولتی ہیں اور مینہ ہے پانی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اس بند سے پہلا ایک اور بعد کے دو بند بھی اسی قسم کے ہیں، گو شاعرانہ رنگ غالب ہے اور جوانی کی رندانہ بے باکی اپنی جھلک دکھا رہی ہے مگر جس رنگ میں ہیں محاکات کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں، برسات کی مصوری کرنے میں اس کے اثرات اور لازمی نتائج کسی کو نظرانداز نہیں کیا، امرا و غربا کے مکانوں کی حالتیں، ان کی طرز معاشرت، سب کا موقعہ بہ موقعہ تذکرہ ہے، غرض کہ بیر بہوٹی، کنسلائی، دھتورے، پھلنی، پھوڑے کچھ بھی انکی نظر سے نہیں بچا یہانتک کہ ظرافت کے لیے برسات کے پھلنے پھسلانے کا بھی حال موجود ہے۔

بنجارہ نامہ ایک حکیمانہ تمثیل یا ایلیگری اور ناصحانہ نظم ہے اور معنوی اعتبار سے نہایت بلند پایہ نظم ہے اس کے پوشیدہ مطالب جس قدر عمیق ہیں اسکی ظاہری دلچسپی اسی قدر نمایاں ہے یعنی یہ کہ اگر حقیقی معانی سے قطع نظر کر لیا جائے تو بھی نظم بالذات نہایت لطیف اور مکمل رہتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ وقیع نظیر کے کلام میں کوئی نظم نہیں لیکن اس پر لطف یہ ہے کہ غالباً اس سے زیادہ مقبول بھی انکی کوئی نظم نہیں اول تو بحر نہایت مترنم اور حسرت و یاس کے خیالات اظہار کرنیکے لئے نہایت موزوں ہے کیونکہ روانی و تسلسل سے ایک قسم کا سکون طاری ہوتا ہے جو فی نفسہ حسرت و یاس کا بڑا ممد ہے دوسرے خیالات

ہندوستانی برسات کی دلفریبیاں اس قیامت کی ہوتی ہیں کہ ان میں مبتلا ہو کر کسی شخص کو دنیا مافیہا کی خبر نہیں رہ سکتی لیکن نظیر کی رمز شناس بصیرت برسات کے مجازی حسن میں بھی جمال حقیقی کی جھلک دیکھ سکتی ہے وہ حسنِ مطلق کی ناقابل برداشت جلوہ ریزیوں سے متاثر ہو کر بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا — اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سومنے کا جو صبح و شام ہے گا — یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

برسات کی بہاروں میں عشاق کے اضطراب و درد فرقت کا جہاں تذکرہ ہے وہاں بھی ہندوستان کی نازک ترین خصوصیت قائم رکھی ہے جنس لطیف کو عاشق قرار دیکر ہجر کی کلفتیں اور پیا سے دوری کی مصیبتوں کا سارا دکھ درد بیان کیا ہے، وصل سے شاد کام پیا کی پیاریوں اور بیقرار برہنوں کی قلبی کیفیات کے بیان میں جو خوبی ہے وہ تحریر میں نہیں آسکتی بلکہ صرف محسوس کی جاسکتی ہے، برسات کا پورا پورا لطف لوٹنے والی بنی سنوری رنگین پریوں کی عیش آرائیاں، شوخ و شنگ طرحداروں کے حسنِ بے پناہ کا زاہد فریب عالم، مستان شباب اور متوالی ادا والیوں کی توبہ شکن رنگ رلیاں، اگرچہ بجائے خود نہایت مہلک و تباہ کن ہیں لیکن نظیر نے ان کا نقشہ جن پیارے الفاظ میں کھینچا ہے وہ خالص ان کے حصہ کی چیز ہے، آہ کہتے ہیں،

نظیر کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اصوات سے مطالب پیدا کرتے اور ترنم سے مرقع پیش نظر کرتے ہیں، لیکن اس نظم میں یہ بھی لطف ہے کہ صوات و ہیئت کے لئے ایسے الفاظ بہم کئے ہیں جنسے صوت متعلق کے صحیح و موزوں ترنم اور ہیئت مفہومہ کے حقیقی و واقعی مرقع کی تخئیل سامعہ و باصرہ کے روبرو پھرنے لگتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں　　سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں　　ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ، بوندوں کی جھمجھاوٹ، ایسی ترکیبیں ہیں جن میں لہلہاہٹ کے لفظ سے سبزہ کی تازگی، ہلکی ہلکی سبزی، اور خفیف جنبش کا نقشہ کھنچ جاتا ہے، اور جھمجھاوٹ کے لفظ سے بوندوں کے متواتر رستے کی آواز سامعہ کے روبرو پیدا ہونے لگتی ہے، اس نظم کے تیسرے اور پانچویں بند میں بھی اس قسم کی صنعتیں موجود ہیں لیکن برسات کے لطائف کی ہوبہو مگر سادہ اور غیر مصنوعی تصویر اس سے بہتر اور کیا ہوسکتی ہے۔

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں　　گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں　　اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآن عاشق تو قلندر رہے نہ ہندو نہ مسلماں
کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

نظیر کی نظم کا یہ بند الہامی ہے۔ شاعر کی پیمبرانہ خصوصیات، معلومات عامہ، بصیرت واقعات، دوربینی اور پیشین گوئی کی اس سے بہتر مثال غالباً دنیا کے کسی لٹریچر میں میسر نہیں آسکتی۔ اس کو دیکھ کر لامحالہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ نظیر موجودہ سیاسی تلاطم ہندوستان کو اپنی دوربیں نگاہوں سے دیکھ چکے تھے اور اس زمانہ کے اتحاد مذہبی کی رہنمائی کے لئے انہوں نے متذکرہ بالا کلیہ وضع کیا تھا۔

برسات کی بہاریں فصل و موسم کے متعلق خاص مشرقی مذاق کی نظم ہے اور شاعر کے طبعی ہندوستانی ہونے کا ثبوت دیتی ہے اس میں جابجا اپنے وطن کی خصوصیات فائق کا تذکرہ ہے اس لئے برسات کی بہاریں، مناظر کی دلفریبیاں، سوسائٹی کے کوائف ساری باتیں ہمارے لئے نہایت دلچسپ ہیں۔ موسم کے تغیر سے روزمرہ کی زندگی میں جو جو واقعات پیش آتے اور تبدیلیاں ہوتی ہیں سب کا من وعن حال اور صحیح مرقع شاعر نے پیش کیا ہے۔ اس میں دریا کو کوزہ کے اندر بند کرنے کی تنگ کوشش نہیں کی گئی بلکہ ہندوستان کی برسات کے قطرہ قطرہ کے دریا ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے

چلی جاتی ہے جو قلب کو سراسر مضطرب کر دیتی ہے اور پھر دنیا کے تمام مشاغل و تعلقات ہیچ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ جن چیزوں کو مثال کے طور پر فانی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ بادی النظر میں استحکام و استقامت کا ایسا نمونہ پیش کرتی ہیں جن کی فنا کا یہ ظاہر گمان بھی نہیں ہوتا لیکن جب ایسی عظیم الشان و محتشم اشیاء عالم کی فنا کا مرقع پیش نظر کیا جاتا ہے تو عبرت و ہیبت کے وحشت انگیز آثار دل پر طاری ہونے لگتے ہیں، دیکھیے یہ بند کس قدر عبرت آموز ہے

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی اُن سے یہ پوچھو دارا و سکندر وہ گئے آہ کدھر کو
مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ وزیرو اس دولت و اقبال پہ مت پھولو امیرو

نے ملک نہ دولت نہ سر انجام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

نظیر کا بہت بڑا کمال یہ ہے کہ وہ سنجیدہ موقعوں پر سطحی چیزوں سے اس طرح گریز کرتے ہیں کہ ذرا بھی شبہہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی بھی موقعہ پر اُن سے کوئی سروکار رکھتے ہوں گے۔ دنیا کی فنا اور اہل دنیا کی چندروزہ حیات کا منطقی نتیجہ وہ یہ نکالتے ہیں کہ باہمی تفرقے اور تنازعہ محض بیکار و عبث ہیں اور اس لئے بے تعصب و صلح کل، روادارانہ و پر امن زندگی بسر کرنے کی تلقین اس طرح کرتے ہیں۔

جھگڑا نہ کرے ملت و مذہب کا کوئی یاں جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آں

کلام نظیر کے عام و نمایاں محاسن پر سرسری بحث کرنے کے بعد اب ہم اُن خاص نظموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس صحیفہ کے لئے منتخب کی گئی ہیں۔ یہاں ہم ہر ایک نظم کو جدا جدا لیکر اس کے ذاتی لطائف دکھانے اور اُن پر تبصرہ کرنے کی کوشش کرینگے۔

الٰہی نامہ ایک عبرت مندانہ نظم ہے جس میں فنائے جہاں اور بقائے رحمان کے مسلم الثبوت کلیہ کی تشریح کی گئی ہے اور دقیق حکیمانہ نکات کو عام فہم نصیحتوں میں منتقل کرکے شعر کے سانچہ میں ڈھالا ہے، اول تو اس نظم میں بہت بڑا کمال ایک یہ ہے کہ مختلف موجوداتِ عالم و اجزاءِ کائنات پر باری باری سے نظر ڈالکر عالم اسباب کی ناپائداری اور خلاقِ عالم کا قیام دائمی ثابت کیا ہے دوسرے اول سے آخر تک صداقت و حقیقت کی ایک ایسی برقی رو اس نظم میں دوڑ رہی

تبصرہ

کا احاطہ محال ہے۔ ارباب کرم سے استدعا ہے کہ اس ناکام کوشش کو بہ نظر اصلاح ملاحظہ فرمائیں اور جو جو معائب اور کوتاہیاں اس میں باقی رہ گئی ہیں انہیں ازروئے ذرّہ نوازی نظر انداز کریں۔ اس صحیفہ کا مقصد کلام نظیر پر روشنی ڈالنا نہیں بلکہ ملک کو ان کے کلام سے جدید طریقہ پر معرف کرانا اور اہل بصیرت کی توجہ اس کی جانب مبذول کرانا ہے تاکہ کسی عالی پیمانہ پر نظیر کے کلام کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہو۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اگر نظیر کے متعلق کوئی مہتم بالشان کارروائی شروع کی گئی تو یہ جریدہ جو اس وقت صرف ایک پیش خیمہ کی حیثیت رکھتا ہے اُس وقت نمونہ کا کام دے گا اور اس عالیشان ایوان کا سنگ بنیاد بن سکے گا۔

وصعوبتوں کے بعد اُن سے مغلوب ہو گیا۔ اُن سب باتوں کو ایک فقرہ میں یوں کہنا چاہیئے کہ سوسائٹی نے اس پر اور اس نے سوسائٹی پر کیا اثر ڈالا۔ کسی فرد کے متعلق جو شخص اِن سوالات کا شافی جواب دے وہ ہمارے نزدیک تذکرہ کا مکمل نمونہ پیش کر سکتا ہے۔ معدودے چند نفوس اس نوعیت کا مطالعہ کئے جانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ بہت سے تذکرے لکھے جاتے ہیں اور معصوم عجائب پسندی مطمئن کرنے کے لئے لکھے جانے چاہئیں لیکن جو اس مفہوم کو ادا نہ کرینگے وہ صرف ایک بار مطالعہ کے بعد ہمیشہ کے لئے طاق نسیاں کے سپرد کر دئے جائیں گے۔ نظیر اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو اِسی فہرست کے چند افراد میں سے ہیں۔ لیکن اِن کا ایسا مطالعہ جس کا یہ ماحصل ہو ابتک نہیں کیا گیا۔ اِس ضمن میں ہماری کوشش ناکافی اور کمزور ثابت ہوتی اس لئے ہم نے اِس سے گریز کیا اور نہ ایسی بحثیں اس مختصر جریدہ کا موضوع بن سکتی ہیں۔

خاتمہ

نظیر کا کلام جس بحث و تنقید کا مستحق ہے ہم سے باوجود کوشش اس کا حق ادا نہ ہو سکا کلام کے صنائع بدائع انواع و اقسام حقیقت و معنویت، نظیر کا شغف موسیقی غرض بہت سے نکات ایسے ضروری ہیں جن پر اس وقت روشنی نہیں ڈالی جا سکی۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ نظیر کی محاسن نگاری ہماری محدود قابلیت سے بہت بالا تر ہے۔ اس وقت جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ منتشر خیالات کا ایک مجموعہ پریشان ہے جس میں کمالات نظیر

وہاں کتابت اسی طرح رکھی ہے۔ لیکن جہاں تلفظ ادھر ہے اور بدلنے سے بھی مصرع موزوں رہتا ہے وہاں بے خوف تبدیلی کتابت کر دی گئی ہے۔

سوانح نظیر

پروفیسر شہباز نے زندگانی بے نظیر میں نظیر کے عقلی و نقلی سوانح عمری جمع کئے ہیں اور کلام کو زندگی کے واقعات کی روشنی میں دکھانے کی کچھ کچھ کوشش کی ہے۔ اس سے نظیر کی پیدائش، وطن، پیشہ، مزاج، چال چلن، اخلاق، اشغال، معاشرت، سیرت غرض زندگی کے جملہ حالات بخوبی واضح ہو جاتے ہیں لیکن اس مجموعہ کو دیکھ کر نہیں کہا جا سکتا کہ نظیر کی تذکرہ نگاری کا مسئلہ پورے طور پر حل ہو گیا۔ اس سے واقعات کی عسیر الحصولی کی جانب اشارہ کرنا مقصود نہیں بلکہ اس پر نظر ہے کہ مدعائے تذکرہ کے حصول کے لئے ان کا محدود اور نامکمل استعمال کیا گیا ہے۔ اگر کوئی فرد واحد واقعی اس کا اہل ہے کہ اس کی حیات اور خصائل یادگار کے طور پر ضابطہ تحریر میں لائے جائیں تو ہمارا ہمیشہ یہی فیصلہ ہے کہ عوام الناس خصوصاً اس کے ہموطنوں کو اس کی سیرت کے جملہ اندرونی سرچشموں اور وسائل سے روشناس کرا دینا چاہئے۔ زمانہ کو دکھا دینا چاہئے کہ دنیا اور انسانی زندگی اس کے ذاتی نقطۂ نظر سے اس کے نفس پر کس حیثیت و رنگ میں منکشف ہوئیں۔ اس کے ہم زمانہ واقعات بیرونی نے اس میں کیا ترمیم کی اور اس نے اپنی شخصیت و تاثرات باطنی سے ان میں کیا تغیر پیدا کیا وہ کس کس کوشش اور قابلیت سے ان پر حاوی ہوا اور کیسے کیسے تصادم و

اور خراب چیز کی طرف نظر بھی نہ ڈالنا چاہیے۔ اس مسلک کو اختیار کرنے کے بعد ارباب نظر متلاشی ہوں گے تو انہیں "ویرانۂ نظیر" کی خاک سے بہت بیش قیمت خزف ریزے ایسے ملیں گے جن سے ادب و لٹریچر کا تاج غیر معمولی زیب و زینت پا سکتا ہے۔ متعدد نظمیں نظیر کی اس قسم کی ہیں کہ اُن کا انتخاب تعلیمی کورس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اور اُن کا منتخب مجموعہ نونہالان قوم کے ہاتھ میں بلا کسی خدشے کے بغرض استفادہ، دیا جا سکتا ہے"۔

رسم خط

ہر شخص جانتا ہے کہ بعض قدیم الفاظ کی کتابت کا طرز بھی قدیمی ہے۔ لیکن اب قدیم الفاظ کی متروکی کے ساتھ اُن کا طرز کتابت بھی بدل گیا ہے۔ اس تالیف میں رسم خط کہیں تو قدیم ہی قائم رکھی ہے کہیں جدید کر دی ہے۔ قدیم کتابت صرف اُن مقامات پر ہے جہاں خوف اشتباہ و ضرورت شعری نے اس کے قائم رکھنے کے لیئے مجبور کیا۔ "جاوے" "آوے" اور اس قبیل کے الفاظ کو اسی شکل میں رکھا گیا ہے کیونکہ اگر بدل دیے جاتے تو شبہہ ہو سکتا تھا کہ نظیر نے اسی طرح لکھا ہوگا۔ لیکن اون، اوسے، اونھیں کو اُن، اُسے، اُنہیں کر دیا گیا ہے اس لیئے کہ ایسا کر دینے سے تلفظ میں کوئی فرق نہیں پڑتا نہ اور کوئی شبہہ پیدا ہوتا ہے۔ اب بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کی کتابت بدل دینے سے بعض اوقات تو مصرع کی موزونیت پر اثر پڑتا ہے اور بعض اوقات نہیں پڑتا مثلاً ایدھر اُودھر چنانچہ جس جگہ تلفظ صاف طور پر "اُیدھر" ہے اور بدلنے سے مصرع ناموزوں ہو جاتا ہے

سے کے فاضلانہ تبصرہ مطبوعہ نقاد اگست ۱۹۱۳ء کا ایک حصہ پیش کرتے ہیں جس سے اِس عنوان پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

"بعض نظمیں جو غیر مہذب ہیں، اُن سے نظیر کی شاعری کو حقیقتاً کوئی تعلق نہیں۔ بلاشبہ اِن کا شمار نظیر کے نتائج افکار میں ہو سکتا ہے لیکن چونکہ اُن کا وجود تفنن طبع یا کسی خارجی تحریک پر مبنی سمجھا جاتا ہے اس لئے کلام نظیر کی تنقید کے واسطے وہ بطور معیار کے کام نہیں دے سکتیں۔ اِن مخرب اخلاق و مشتعل انگیز نظموں کی شانِ نزول یا غرض و غایت کیا تھی؟ اس کا صحیح جواب اس وقت دینا محال ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ معاشرت انسانی کے جو تاریک پہلو نظیر نے دکھائے ہیں وہ غیر فطری یا سر تا پا غلط ہیں۔ ممکن ہے کہ سوسائٹی کی اصلاح کی غرض سے شاعر نے یہی مناسب سمجھا ہو کہ لوگوں کے آگے، اُن کی مذموم عادات و خصائل کا تذکرہ، من وعن کر دیا جائے کہ انہیں اپنی دردناک اور عبرت سوز حالت پر غور کرنے کا موقع ملے اور اس سے شاید اتنا ہو کہ وہ اپنے خصائل و اخلاق کی درستی پر از خود مائل ہو جائیں۔ اِسی کے ساتھ یہ بھی بعید از امکان نہیں کہ انہوں نے اپنی طبعی خواہش سے ایسا کیا ہو۔ تاہم اِس کے لئے نظیر کو خصوصیت سے ملزم گرداننا ناانصافی ہے خصوصاً اُس حالت میں کہ سعدی ایسے کئی گران پایہ فلسفی شعرا کا دامن ہزل گوئی کے بدنما داغ سے ملوث نظر آ رہا ہے۔ ہمیں "خذ ما صفا و دع ما کدر" کے عاقلانہ اصول پر کاربند ہونا چاہیے۔ اچھے مال کی قدر دانی کرنا چاہیے

ان دو رمیں شعرا نے مناسب نہ سمجھا۔ گو اس عام جواب سے نظیر کے اعتراض
کا بھی جواب ملجاتا ہے لیکن اُن کے متعلق ہمیشہ ایک خاص بات
یاد رکھنی چاہیے کہ وہ الفاظ کا تلفظ عوام کی زبان کے مطابق کرتے ہیں
اس نکتہ کو یاد رکھنے سے نہ صرف اس بات کا بلکہ اور بہت سے اعتراضات کا
جواب ملجاتا ہے۔ عوام کی زبان کے مطابق تلفظ کر کے مصرع پڑھنے میں بہت
سے حروف جو بظاہر تقطیع سے گرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں خارج نہ معلوم ہونگے
ہمارا خیال ہے کہ نظیر نے جو کچھ کیا وہ عمداً اور دانستہ کیا، وہ کسی طرح
عروض میں عاجز نہ تھے البتہ مشرقی خصوصاً عربی عروض کی سخت بندشوں سے
تنگ آکر ان کی فطری آزادی پسند طبیعت نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر تخیل کی
صحت و وسعت کی خاطر کہیں عروض قربان ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔
وہ عروض کو شعر کا صرف جزو ضروری سمجھتے تھے نہ کہ جزو لاینفک اور اس خیال میں
ارسطو کے ہم خیال تھے۔

فحشیات

نظیر کے کلام میں جہاں فحش اور غیر سنجیدہ باتیں ہیں اُن کے متعلق
کہیں جگہ بتایا جا چکا ہے کہ ان کا وجود محض معاشرت نگاری کی بنا پر ہے
اگر ان کو نظر انداز کر دیا جاتا تو انسانی زندگی کا ایک بہت بڑا پہلو پوشیدہ رہجاتا
جس سے نظیر کی اہلیت اور ہمہ گیری پر اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس موضوع
پر ہم زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے۔ صرف سید محمد فاروق صاحب شاہ پوری

بار دھرانے سے طبیعت پر بار پڑے اور یکسانیت سے جی اُکتانے لگے لیکن جس صورت میں ایک ہی خیال مختلف موقعوں پر ہر مرتبہ نئے خیالات کے ہمراہ بار بار پیش کیا جائے تو بُرا نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس سے کلام میں زور اور تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ فنِ موسیقی کی شہادت اس عیب کے حسن کا بہت بڑا ثبوت ہے، ترنم کے شائستہ جو روانی اور سلاست پیدا ہو جاتی ہے وہ مزید برآں ہے

نظیر کے عروض پر تفصیلی بحث کرنے میں طول ہو جانے کا اندیشہ ہے

عروض اس لئے یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ نظیر کے کلام میں بظاہر عروضی غلطیاں موجود ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا یہ عروضی غلطیاں کلام غلط ہو جانے سے بعد میں پیدا ہو گئیں یا خود نظیر سے سرزد ہوئیں اسکی تحقیق سخت بہت دشوار ہے اس وقت جو کلام ہمیں میسر ہے اس میں لغزشیں موجود ہیں اور موجودہ ضروریات کے لئے ہم صرف اسی پر انحصار کر سکتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ غلطیاں کس کس نوعیت کی ہیں اکثر غلطیاں تو قافیہ کے متعلق ہیں اور بہت سی وزنِ شعر کے متعلق یعنی یہ کہ تقطیع کرتے وقت بہت سے حروف مثلاً ع، ح، ر، ہ تقطیع سے گر جاتے ہیں اس قسم کے معائب نظیر کے کلام میں کچھ نئی بات نہیں، شہباز نے مثالیں دے دیکر دکھایا ہے کہ اساتذۂ مجتہدینِ متقدمین کے کلام میں بھی یہ نقائص کثرت سے موجود ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ابتدائی زمانۂ شاعری میں شاعری پر ایسے دقیق قیود عائد کرنا

مکمل نہیں بنا سکتا، یہ متاخرین اور متبعین کا فرض ہوا کرتا ہے کہ تقلید کے راستہ میں جو فروگذاشت اور کمی دیکھیں پوری کر دیں لیکن نظیر اپنا رنگ اپنے ہی پر ختم کر گئے۔ فی زمانہ جب کہ ٹھنڈے دل سے نظیر کی شاعری پر غور کیا جا رہا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کی بنا مخصوص محاسن پر قائم ہے، وہ اٹھارویں انیسویں صدی عیسوی کے صرف بہت بڑے شاعر ہی نہ تھے بلکہ ہندوستانی سرزمین کے ایک نہایت عالی وقار فرد تھے، یہ اعتراض کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کام نامکمل چھوڑا، اگر ہم ان کے کام کی ماہیت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہی بہت زیادہ ہے۔ ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ تمام عناصر جن سے انکی شاعری مرکب ہے، ان ہی کو دریافت کرنے پڑتے تھے۔ یہ سارے جواہر جنکی تلاش میں وہ ہر وقت سرگرم تھے ایک ایسے ویرانہ میں مدفون تھے جس کا وجود اور کسی فرد کی نہیں بلکہ صرف انہی کی نگاہ نے دریافت کر لیا تھا۔ بلکہ اس بارہ میں یہاں تک کہنا پڑتا ہے کہ اُن کو کھود نکالنے کے لیے اوزار بھی اُن ہی کو بنانے پڑتے تھے، اس لیے کہ وہ اپنے کو ایک عمیق ترین ظلمت میں پاتے تھے جہاں کوئی مذکوئی اوزار، کوئی نمونہ موجود نہ تھا اور اگر کوئی نمونہ موجود تھا تو وہ نہایت ذلیل اور ادنیٰ قسم کا۔ کہا جاتا ہے کہ نظیر کے کلام میں منیرازم کا عیب ہے، فی الواقعہ یہ بڑا شاعرانہ عیب ہے لیکن کثرت اعادہ صرف اس وقت ناگوار ہوتا ہے جب ایک ہی بات یا خیال بار

کوئی امیر اس وقت زندہ کر دیا جائے تو وہ ایران کی موجودہ زبان سے بہ مشکل کوئی مطلب سمجھ سکے گا، نظیر کے زمانہ سے اس وقت تک زبان اُردو میں بڑی بڑی ترمیمیں اور تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے سینکڑوں الفاظ اور محاورے ایسے ہیں جو اب قطعی متروک ہیں، اسی طرح نظیر کے کلام میں جو بہت سی ترکیبیں مستعمل ہیں وہ اب رائج نہیں ہیں جس طرح اور اساتذہ کے کلام میں متروکات کا استعمال ناجائز نہیں سمجھا جاتا اسی طرح نظیر کے کلام کا بھی عیب نہیں خیال کیا جا سکتا۔ نظیر کے کلام پر یہ ایک بڑا اعتراض ہے کہ ان کے یہاں صحت لفظی کا التزام نہیں یہ اعتراض بھی جملہ متقدمین پر ایک ہی طرح صادق آتا ہے، ہر چند اس زمانہ میں صحت لفظی کی کوئی قید نہ تھی لیکن نظیر کے معاملہ میں اس کا ایک خاص جواب موجود ہے، اور وہ یہ کہ نظیر عوام کے تلفظ کے مطابق لفظوں کو باندھتے ہیں اور چونکہ وہ عامۃ الناس کے ہی مخصوص شاعر ہیں اس لئے اس معاملہ میں انہیں ہر طرح کے اختیار و آزادی کا پورا حق حاصل ہے۔ یہ بات کسی بے محل ہوتی کہ وہ کنہیا جی کے جنم میں بجائے ہندو عورتوں کے خواتین لکھنؤ کی زبان لکھتے اور بلدیو جی کے میلہ میں برج کے گنواروں کی بجائے ثقات دہلی کی، نظیر کی شاعری پر بعض لوگ یہ بھی اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ وہ مجلّا اور مکمل نہیں ہے، یہ اعتراض کسی قدر صحیح ہے لیکن یہ واضح رہے کہ کبھی کوئی موجد اپنی ایجاد کو

میں سہولت ہو اور لے کے ساتھ خوب پڑھی جائیں۔ نظیر کا کلام اکبر آباد
و مضافات اکبر آباد کے خصوصاً اور ملک کے عموماً فقیروں کی زبان پر ہے۔
سُنا جاتا ہے کہ بنگال کے فقیروں کو بھی اِن کا کلام بہت یاد ہے فقیروں کو جو نہایت
اور مجزے میاں نظیر کے یاد ہیں وہ ایسے حسب حال اور پُر اثر ہیں جن سے
خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔ لیکن یہ بجوذار ہے کہ یہ فقیر اب بہت تھوڑے
رہ گئے ہیں اور جو کچھ ہیں وہ چراغ سحری ہو رہے ہیں ہر چند یہ کلام سینہ بہ سینہ منتقل
ہوتا آرہا ہے لیکن اِس طریقہ میں اول تو کلام کی صورت بہت کچھ بدلتی جارہی ہے
دوسرے فقیروں کی تعداد بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ پھیری والے پیشہ وروں اور
خونچہ والوں کو بھی نظیر کا کلام جسکی نوآزادانہ ہے کافی یاد ہے۔ یہ لوگ
اسے گا گا کر اپنی چیزیں بیچتے ہیں جس کی وجہ سے خوب بکری ہوتی ہے مشتہر
کرنے کا اتنا مؤثر اور فطری طریقہ نظیر کی ایجاد ہے۔ آگرہ میں گا گا کر سودا
بیچنے اور لے کے ساتھ چیز کا اعلان کرنے کا طریقہ غالباً نظیر کے وقت اور
ان ہی کی نظموں کی بدولت پڑا۔ آگرہ کے چورن بیچنے والوں کو جو خونچہ لگاتے
ہیں نظیر کے لٹکے بہت سے یاد ہیں جو نہایت پُر لطف اور سامعہ نواز ہیں

مردہ زبانوں کا تو خیر کوئی ذکر نہیں البتہ جو زبانیں زندہ ہیں یعنی جن کی بولنے
والی قومیں روئے زمین پر موجود ہیں اُن میں روزمرہ تبدیلیاں اور آئے
دن اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اگر نوشیرواں کے دربار کا

متروکات معائب

اُن کا شہری دوست اور گندم رنگ دوشیزہ اُن کے لئے ذلیل اور معمولی نہیں بلکہ ہیرو اور ملکہ ہیں جن کی وہ بادشاہوں سے زیادہ عزت کرتے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ انسانی قلوب کی پُراسرار صناعی اور مقدرات کی ناقابل قیاس ظلمت و ضیا کے مظہر صرف بلند منزلت کاخ وایوان ہی نہیں بلکہ اُن کا اظہار ہر جگہ پر ہر اُس جگہ میں جہاں انسان بستا ہے ہو سکتا ہے۔ ہم نظیر کو عوام کی صحبتوں میں دلچسپی لیتے، ہنستے بولتے، ملتے جلتے، اُن کے مشاغل میں حصہ لیتے اور ان ہی کی زبان بولتے دیکھتے ہیں لیکن ان کے روزمرہ میں رکاکت و ابتذال نہیں۔ کسی موقعہ پر وہ عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کو جو ان کی شریف بشریت کے عناصر ہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ بس اس بالغ نظری اور صفائی قلب کو ہم اُن کے کمال کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

نوا آزادانہ

نظیر کے دربار کا دروازہ چونکہ ہمیشہ وا رہتا تھا اور ان کی صحبت ہر شخص کے لئے صلائے عام تھی اس لئے وہاں ہر رنگ کا آدمی حاضر ہوتا تھا۔ چونکہ یہ ادنیٰ طبقہ کے لوگوں اور غربا کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے اس سے یہ لوگ بھی اُن کی خدمت میں خاص طور پر گستاخ تھے چنانچہ فقیر ان سے مناقبیں قلندر صدائیں اور کھیری کے خوانچہ والے لٹکے کھوا کھوا کر لیجایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کے بہت سے کلام کی نوا آزادانہ اور لے قلندرانہ ہے۔ اِس قسم کی نظمیں خاص طور پر طویل اور مترنم بحروں میں ہیں تاکہ گانے

اور تصوف نہیں وہ عریاں میں پوشیدہ کو نہیں ڈھونڈھتے بلکہ انساں کو بہترین مظہر حقیقت و الوہیت سمجھتے ہیں اس لئے ان کا موضوع جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے انسان اور اُس کی معاشرت ہے۔ نہ وہ اِن شعرا کی طرح مشکل پسند ہیں بلکہ ان کا کلام معمولی فہم کی دسترس سے بھی باہر نہیں وہ بالخصوص عوام کے شاعر ہیں اور اِن ہی کے جذبات و حسیات کی ترجمانی اپنا فرض اولیں سمجھتے ہیں۔ باوجود کوئی قدیم مثال سامنے نہ ہونے کے ان کی تیز نگاہوں نے کائنات اور انسان کا سچا تعلق معلوم کر لیا، اِس انکشاف نے ان کی ذہنی قوّت اور بڑھا دی اور پھر انہوں نے اپنے تئیں نفسی تحقیقات کے لیئے تیار کرنا شروع کر دیا صداقت اور دلکشی اُن کے شاعرانہ خصائص ہیں لیکن شاعرانہ حیثیت سے نہیں بلکہ انسانی حیثیت سے وہ ہمارے لئے زیادہ دلچسپ اور موثر ہیں نظیر کی روح حقیقی شاعرانہ روح ہے، اس کو صرف چھیڑ دینے کی ضرورت ہے اس سے نغمہ پیدا ہونا لازمی ہے۔ چھیڑنے کے لئے کسی خاص مضراب کی حاجت نہیں فطرت کا معمولی سے معمولی جزو حتیٰ کہ ایک نفس انسان اُن کے لئے مستقل حسن ہے۔ نظیر کو خصوصاً اُس وقت دیکھو جب کہ وہ اپنی مرغوب جماعت سے مخلّع بالطبع ہوتے ہیں۔ اِس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی سرگرم، ہمہ گیر، انسانی ہمدردی کا کیا عالم ہے اُن کی بے اعتماد، نامحدود محبت کا کیا رنگ ہے اور وہ اپنے محبّ خاص انسان کے لئے کیسی کیسی فیاضیاں کر سکتے ہیں۔

استعمال کرنا شروع کئے اور عبارت میں اِس خوبی سے کھپائے کہ سیاق عبارت سے اُن کے معانی و مطالب خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ اِس حسن استعمال سے دو فائدے ہوئے۔ اوّل تو یہ الفاظ بہت جلد مل جل گئے دوسرے سامعہ کو ناگوار نہ معلوم ہوئے۔ نئے الفاظ کا سامعہ کو ناگوار معلوم نہ ہونا اُن کے جزو زبان بنجانے کی بہت بڑی شہادت ہے بھاشا کے الفاظ کی معرفت کے پہلو بہ پہلو نظیر نے عربی فارسی کے ثقیل الفاظ کو ترک بھی کرنا شروع کیا۔ فارسی سے انہوں نے محاوروں کے معاملہ میں مدد لینی زیادہ مناسب سمجھی۔ فارسی محاورں کا ترجمہ اُن کے کلام میں بہت دستیاب ہوتا ہے۔ زبان کی ضرورت کو اِس حدتک سمجھنا اور اس کی ضروریات پوری کرنے پر اتنا قادر ہونا معمولی آدمی کا کام نہیں۔ کوئی شاعر جب تک خاص لسانی ملکہ اور مختلف زبانوں پر کامل تجربہ رکھتا ہو اتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر نہیں لے سکتا۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ نظیر کتنے بڑے ماہر لسانی تھے اور اُن کو رموز فصاحت و بلاغت سے کس درجہ واقفیت تھی۔ نامانوس کو مانوس بنا کر پھر بھی کلام میں روانی و سلاست کوٹ کوٹ کر بھر دینا انہی کا حصہ تھا

غالب اور بیدل کی طرح نظیر خالص ادبی شاعر نہیں بلکہ

قومی شاعر ہے محض ادبی نہیں

اسکاٹلینڈ کے مشہور شعرا سکوٹ اور برن کی طرح قومی مغنی ہیں۔ غالب در بیدل کے مانند اِن کا موضوع فلسفہ

جگہ جگہ اجتہاد کیا ہے ۔ یہاں ہندی کے الفاظ کا دل کھول کر استعمال کیا ہے فارسی محاوروں کا ترجمہ اور مورد الفاظ کی ترویج بھی اسی صیغہ میں کی گئی ہے ۔ اب رہی سلینگ یا بازاری زبان اسے وہ غیر سنجیدہ اور عریاں موقعوں پر استعمال کرتے ہیں ۔ میلے ٹھیلے ۔ لہو ولعب، عوام الناس کی ہر قسم کی بری بھلی صحبتوں میں وہ اِس زبان کو بولتے ہیں اور یہ ہر طرح جائز ہے ۔ زبان کی ایسی عالمانہ تقسیم اور ہر موقعہ پر مناسب حال زبان کا استعمال نظیر کی ایجاد اور اُن کے مجتہدانہ کمال کا بین ثبوت ہے ۔

زبان پر احسان نظیر کا اُردو زبان پر بڑا احسان ہے ۔ اس معاملہ میں سب سے پہلے اُن کی دور بینی کا قائل ہونا پڑتا ہے ۔ انہوں نے کتنے عرصہ پہلے تاڑ لیا کہ یہ زبان جو کہ ابھی ابتدا پر پڑی ہے ایک دن ہندوستان کی علمی اور دفتری زبان بن کر رہیگی اِس بصیرت مستقبل کے ساتھ اُردو کی کم مائیگی اور بے بضاعتی بھی اِن کے پیش نظر تھی اِس لئے انہوں نے اپنی تمام کوششیں اس زبان کو وسیع اور سرمایہ دار بنانے کے لئے وقف کر دیں اُن کا کلام شاہد ہے کہ انہوں نے اپنی اور اپنے زمانہ کی زبان کو اسقدر وسیع کر لیا تھا کہ انہیں الفاظ کی کمی محسوس نہ ہوتی تھی اور اس وجہ سے وہ کوئی خیال کسی انداز سے ادا کرنے میں قاصر و عاجز نہ تھے ۔
اُردو کو وسیع کرنے کے لئے فطری اعتبار سے انہوں نے ہندی کو زیادہ مناسب زبان خیال کیا ۔ چنانچہ بھاشا کے موزوں اور عام فہم الفاظ چھانٹ چھانٹ کر

کرنے میں انہیں بڑی قدرت تھی اور یہ کمال انہیں ہر زبان میں یکساں تھا۔ فارسی عربی الفاظ کے لئے بھاشا سے اور بھاشا کے لفظوں کے واسطے فارسی سے اتنا موزوں مرادف ڈھونڈھ لاتے ہیں جس کو دیکھ کر بیساختہ منہ سے واہ نکل جاتی ہے۔ اجتہاد زبان وعروض کی بہت سی مثالیں میر و دیگر اساتذۂ متقدمین کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ نظیر کے کلام میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو اب نئے اور عجیب معلوم ہوتے ہیں، نظیر کے وضع کردہ محاورے اور الفاظ کثرت سے ہیں، ان میں سے بہت سے تو مقبول ہو کر زبانوں پر چڑھ گئے اور زبان کا جزو بن کر اس طرح مخلوط ہو گئے کہ اب تمیز بھی نہیں کئے جا سکتے لیکن یہ چند الفاظ جو اب نئے سے معلوم ہوتے ہیں فی الحقیقت وہ وضع شدہ الفاظ ہیں جو کسی وجہ سے عام نہ ہو سکے اور صرف اُن ہی کے کلام تک محدود رہے۔ پس چونکہ فی زمانہ مستعمل نہیں ہیں اس لئے عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اِن الفاظ کو کم نظر غلطی اور اہل بصیرت اجتہاد کہتے ہیں، پس اس بنا پر نظیر کے کلام کو جدید معیار زبان لکھنؤ و دہلی سے جانچنا غلطی ہے۔ نظیر نے اپنے کلام میں ادبی، کولوکل یا روزمرۂ اور سلینگ یا بازاری و مبتذل تین قسم کی زبانوں کا استعمال کیا ہے۔ ادبی زبان میں تو انہوں نے زیادہ تر عربی فارسی کے مانوس الفاظ پر اکتفا کی ہے اور یہ زبان پاکیزہ خیالات اور سنجیدہ جذبات اظہار کرنے کے لئے تجویز کی ہے، لیکن روزمرہ میں انہوں نے

انسان میں حضرت آدمؑ کو ہے تاریخ زبان مرتب کرنے کے لئے اگر کوئی شخص قدیم زبان اُردو کا پتہ لگانا چاہے تو کلام نظیرؔ اس کی پوری پوری رہبری کرے گا اور یہاں سے اس کی جملہ اغراض پوری ہو سکیں گی۔ اکبرآباد کی ڈیڑھ صدی پیشتر کی زبان کا سراغ صرف نظیرؔ کے کلام سے لگتا ہے اور چونکہ کلام کثرت سے ہے اس لئے ایک ہی جگہ بہت کافی سرمایہ تحقیق و تفحص اور ہر قسم کے نمونے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ الفاظ کا استعمال اس کثرت سے ہے کہ اُردو کا بڑے سے بڑا شاعر سوائے میر انیسؔ رح کے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ طیور کے نام، کبوتروں کی قسمیں، اہلِ ہنود کی مذہبی اصطلاحیں، پیشہ دروں کے لٹکے، لہو و لعب کی اصطلاحیں، غرض ہر رنگ کے الفاظ اور پھر اُن کے مرادف اس کثرت سے ہیں کہ اُردو کو ناقص اور محتاج زبان کہنا غلط معلوم ہونے لگتا ہے۔ نظیرؔ کے کلام سے قدیم الفاظ کی ایک اچھی خاصی لغت تیار ہو سکتی ہے جو نہایت کارآمد ہو۔ الفاظ کی کثرت اور لغت دانی میں نظیرؔ عربی اساتذہ کے ہم پلہ ہیں۔

نظیرؔ اُردو کے ایامِ طفولیت کے شاعر ہیں۔ اس زمانہ میں شعرا کے پاس الفاظ کا ذخیرہ بہت کم تھا۔ اِس لئے جو لوگ صاحبِ نظر و استعداد تھے

زبان پر اجتہاد | وہ حسبِ ضرورت دوسری زبانوں کے مناسب الفاظ تلاش کر کر کے موزوں کر لیتے تھے۔ یہی ضرورت نظیرؔ کو بھی درپیش تھی انہوں نے بھی اپنی ضروریات کے لئے نئے نئے الفاظ وضع کر کے زبان پر اجتہاد کیا۔ مرادف تلاش

اس لیے یہاں کی زبان کی حالت اور مقامی اصطلاحات سے انہیں واقفیت نہ تھی۔ نظیر کا کلام اس قدر غلط اور خلط ملط ہو جانے کی ذمہ دار ملک کی عام بد مذاقی، اہل علم کا تغافل، کاتبوں کا جہل اور لاپرواہی مطابع کی زرپسندی اور فرائض سے بیخبری ہے۔ ایسے مہتم بالشان شاعر کا کلام کھو بیٹھنے اور غلط کر دینے کا ملک کے دامن پر ایسا بدنما دھبہ ہے جو ابدالآباد تک اس وقت تک جب تک کلام کی قرارواقعی تصحیح نہ کرلے اس کے دامن سے نہ دھلے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

نظیر کی زبان اکبرآباد کی خالص قدیم زبان ہے اور یہی ٹکسالی اردو ہے۔ فی زمانہ آگرہ میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ نظیر کی زبان کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ نظیر کی زبان کو لکھنؤ دہلی کی زبان سے کوئی علاقہ نہیں اور نہ کبھی ضرورت میں ان مقامات کی زبان کی دست نگر ہے چونکہ نظیر متقدم اور بہت پرانے زمانہ کے شاعر ہیں اس لیے یوں کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ان کی زبان جنس عالی ہے اور دیگر مقامات مدعیان زبان کی زبانیں اس کی انواع۔ یہ یقین ہے کہ لکھنؤ دہلی کے اساتذہ متاخر نے آنکھ کھول کر جس زبان کو دیکھا وہ نظیر کی زبان تھی، پس اسی کو اصل قرار دیکر اسی میں ترمیمیں اور اصلاحیں کیں اس لئے لکھنؤ دہلی کی شستہ زبانیں اکبرآباد کی قدیم زبان کی ارتقائی شکلیں ہیں لہذا نظیر کی زبان کو خاندان اردو میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو اردو شعرا میں ولی رح اور بنی نوع

اکبرآباد کی قدیم زبان۔

نظیر کے کلام کی جیسی روح فرسا تخریب کی گئی ہے وہ نہایت افسوسناک ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ کلام سے لوگ بے خبر رہے کیونکہ بہت سے ایڈیشن موجود ہیں لیکن کلام کا گُھٹّا ایسا کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر بڑا درد محسوس ہوتا ہے۔ شاعر کی دماغی کاوشوں کی داد جس عدیم المثال تغافل سے دیگئی ہے وہ ملک کے لئے نہایت شرم انگیز ہے۔ جتنا کچھ کلام باقی ہے اور میسر ہو سکتا ہے وہ بھی بہت زیادہ غلط ہے۔ نہایت مسخر انگیز غلطیاں موجود ہیں جنکو دیکھ کر پہلے ہنسی اور پھر غصہ آتا ہے۔

تخریب کلام

افسوس ہے کہ چھاپنے والوں نے ذرا صحت کا خیال نہیں کیا جیسا ہاتھ لگا غلط سلط چھاپ ڈالا۔ بہت سی غلطیاں تو ایسی ہیں جو امتداد زمانہ، دوری عہد نظیر کی وجہ سے پیدا ہوئیں لیکن بہت سی ایسی بھی ہیں جو محض مطابع اور کتابت کے باعث رونما ہو کر مستقل بن گئیں۔ اب صحت بہت دشوار کام ہو گیا ہے۔ ہم نے صحت کی بہت کوشش کی ہے لیکن پھر بھی بہت سے شبہات باقی رہ گئے ہیں۔ **شہباز** کا مرتبہ کلیات اس وقت کلام نظیر کا بہترین اور مستند مجموعہ ہے لیکن ہمارا تجربہ یہ ہے کہ اس میں بھی غلطیاں موجود ہیں۔ اس سے شہباز مرحوم کی لیاقت یا مساعی پر معاذ اللہ کسی قسم کا اعتراض منظور نہیں صرف اشکال صحت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ شہباز مرحوم کے یہاں غلطیاں رہجانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اکبر آباد کے باشندے نہ تھے

اپنا حال دل بیان کر کے چارہ گری کی خواہش کی۔ میاں نظیر نے مجھے یہ نظم کہہ دی۔ چنانچہ جب مجھے درد ہجر بہت ستاتا اور بےچین کرتا تو میں اس نظم کو پڑھا کرتا تھا اس سے مجھے ایک گونہ تسکین ہو جاتی تھی۔ اس بوڑھے عاشق کی جوانی اور اس کا ولولہ محبت اور جوش جنوں تو اب خود اسی کی زندگی کے لیے ایک بھولا ہوا خواب، ایک افسانۂ پارینہ بن گیا تھا مگر ایام عشرت کی باقیات صالحات وہ فراقیہ نظم یادِ ایام کی حیثیت سے ابتک اس کی زبان پر تھی جسے وہ ابتک اسی لطف سے پڑھ پڑھ کر زیب آرزو کو یاد کیا کرتا تھا۔ نظیر کے عہد زریں کی زندہ یادگار، قدیم رنگیں صحبتوں کا نام لیوا، پیر فرسودہ، آہ نظیر کی مجلس جاوداں میں جا پہونچا اور اب ان سے عشق حقیقی کا راز دریافت کر رہا ہے لیکن وہ فراقیہ نظم جو ایک عرصہ تک اس کی مونس تنہائی اور غمگسار فرقت بنی رہی تھی، عاشقانِ سادی کی دلدہی اور دلسوزی کے لئے اسی کے ساتھ دنیا سے اٹھ گئی۔ پروفیسر **شہباز** کا قوم و ملک اور اردو پر خصوصاً بڑا احسان ہے کہ انہوں نے غیر معمولی تکلیفیں اٹھا کر اور طرح طرح کی مشکلوں کا سامنا کر کے کلام نظیر ایک جگہ صحت کے ساتھ جمع کر دیا اور اُن کے سوانح عمری جو کچھ مہیا ہو سکے زندگانی بےنظیر میں جمع کر کے ملک کے مردہ شاعر کو زندہ کر دیا ورنہ رہا سہا کلام بھی ضائع ہو جاتا اور سوائے کف افسوس ملنے کے کوئی چارہ باقی نہ رہتا۔

اسی ازلی موزونیت میں ان کا شاعری پر نثر کی سی قدرت رکھنے کا راز پنہاں ہے۔

تضییع کلام

تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ نظیر کا کلام بہت کچھ ضائع ہو گیا لیکن جو کچھ باقی رہا وہ بھی پورا طبع نہیں ہوا۔ کلیات کے علاوہ بہت سی نظمیں اور ہیں جو انہوں نے لوگوں کو کہہ کر دیدیں اور پھر اُن کا کبھی نام بھی نہیں لیا۔ فقیر، خونچہ والے اور پیشہ ور ان سے بہت سی نظمیں کہوا کر لے گئے، جن کا کلیات میں پتہ بھی نہیں۔ نظیر کا قاعدہ تھا کہ اگر کوئی شخص ان کے پاس آکر کسی مضمون پر کہنے کی فرمائش کرتا تو فوراً کہہ کر اسی وقت اسے دیدیا کرتے تھے، یہ لوگ ان نظموں کو بچا کر تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھتے تھے۔ بہرحال اس قسم کی کسی نظم کا اندراج کلیات میں نہیں اور یہ چیزیں قطعی ضائع ہو جانے کے برابر ہیں۔ میرے ایک بزرگ جنہیں میاں نظیر کے صاحبزادہ خلیفہ گلزار علی اسیر سے شرف تلمذ حاصل ہے، بیان فرماتے تھے کہ اُنہیں محلہ ڈھولی کھار میں ایک بوڑھا شخص ملا جو میاں نظیر کی ایک نظم پڑھا کرتا تھا۔ یہ نظم اس نے خاص اپنے لئے کہوائی تھی۔ اس کا قصہ اس نے اس طرح بیان کیا کہ جب میں جوان تھا مجھے ایک عورت سے عشق سرزد ہوا۔ جب میں اس محبوبہ کی محبت میں بہت بے چین ہوا اور اس کا فراق مجھ سے کسی طرح برداشت نہ ہو سکا تو میں میاں نظیر کے پاس تاجگنج گیا اور اُن سے

کوڑی کے پھر تین تین ہیں" عام طور پر مستعمل ہیں۔ عورتوں کو یاد ہونا قبولیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اِن جملہ باتوں کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ نظیرؔ نے اپنی جادو بیانی سے قلوب کو تسخیر کیا اور ان کا سحر اثر کلام دلوں کا مالک ہے، باوجود شاعر کے نام و نشان سے ناواقف ہونے کے اس کا کلام لوگوں کے طبائع پر حاوی ہے اور دلوں کا جزو بنا ہوا سینوں سے لگ رہا ہے۔

آہ یہ حافظانِ کلام نظیرؔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں اور نظیرؔ کے ریزہائے دل و جگرانِ کے ساتھ پیوند خاک ہو رہے ہیں

نظیرؔ کے کلام کی کثرت اور ہمہ گیری دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ انکی

کثرت کلام

طاقتِ گویائی اتنی غیر معمولی تھی کہ اِس نے انہیں زیادہ گو شاعر بنا دیا۔ اُردو کلام کے علاوہ فارسی کا غیر مطبوعہ کلام بہت سا موجود ہے جس سے دنیا ابتک روشناس نہیں ہوئی۔ اس میں نظم و نثر دونوں شامل ہیں سہ نثر ظہوری کے انداز پر جو نثر میاں نظیرؔ نے لکھی ہے وہ نثر ظہوری کا نمونہ اور آپ اپنی نظیر ہے۔ باوجود اس زیادہ گوئی و کثرت کلام کے اُن کے کلام میں سلاست و روانی ایسی موجود ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موزوں کرنے میں انہیں کوئی دقت محسوس نہ ہوتی تھی اور نہ کوئی خاص سعیٔ ذہنی کرنی پڑتی تھی، "حکیم سخن بر زباں آفریں" نے ان کا دماغ ہی موزوں بنایا تھا اور اِس موزونیت کا یہ عالم تھا کہ نثر غالباً زبان سے نکلتی ہی نہ تھی

ان کے کلام میں جیسی دلچسپی ہے دوسرے شعرائے متقدمین یا حال کے کلام میں نہیں۔ تعلیم یافتہ، جہلا، ارباب نشاط، اہل ہنود میں مختلف خیال و مشاغل و معاشرت کے لوگ غرض ہر قسم کے لوگوں کی زبان پر نظیر کا کلام کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود ہے۔ ساتھ ہی اس کے یہ لوگ یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ ان کی زبانوں پر کس کا کلام ہے یا یہ کہ جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں اسے شعر کہتے ہیں۔ اگر کسی کو شعر صحیح طریقہ پر یاد نہیں تو وہ اپنے طور پر توڑ مروڑ ہی کر پڑھتا اور اس سے لطف اٹھاتا ہے اور موقعہ موقعہ سے اس کا حوالہ پیش کرتا ہے۔ لیکن جو اتنا بھی کرنے سے قاصر ہے تو کم از کم شعر کا خیال ضرور اس کے ذہن نشین ہے اور مناسب جگہ وہ اس کو مثل کی صورت میں دھر اٹھی دیتا ہے۔ اکبرآباد اور دیگر شاہی شہروں کے قدیم شریف گھرانوں کی پردہ نشین خواتین نظیر کے کلام کی بہت بڑی محافظ ہیں۔ حرم کے اندر نظیر کے اشعار یا اُن کی نظموں کا مذہبی نظموں اور مناقبوں کو چھوڑ کر اتنا چرچا نہیں لیکن مثالیں، کہاوتیں اور کلیے جو اُن کے کلام سے مستنبط ہوتے ہیں عام طور پر بی بیوں کے زبان زد ہیں۔ اِس ضمن میں میاں نظیر امیر خسروؒ کے شرکت دار ہیں۔ جس طرح ان کی پہیلی اور کہہ مکرنیاں شریف خاندانوں میں تفریح و تفنن کے لئے مروج ہیں اسی طرح نظیر کی کہاوتیں، مثلاً "غریب کی جورو سب کی بھابی"، کوڑی نہیں تو

کس حصہ عمر میں لکھا بلکہ ایک ہی حصۂ عمر کے کئی ڈراموں میں باہمدگر تقدیم و تاخیر بھی معلوم کرلی گئی ہے یہ زندہ اور قدر دان قوموں کے علمی کارنامے ہیں لیکن اہل ہند بھی اگر اپنے اساتذہ کا کلام اس طرح مرتب کرنا چاہیں تو کوئی بڑی بات نہیں۔ محض غزل گو شعرا کے کلام میں تو یہ کسی قدر دشوار ہوگا لیکن نظیر کے یہاں جہاں مستقل عنوانات پر نظمیں کثرت سے موجود ہیں نفس مضمون کی شہادت و رہنمائی سے نظموں کی تقدیم تاخیر تحقیق کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ لیکن اس کام میں بڑی محنت و جانفشانی، تلاش و جستجو تحقیق و تنقید کی ضرورت ہے اور یہ کسی فرد واحد کا کام بھی نہیں۔ ہم نے اس باب میں کسی قدر کوشش کی لیکن راہ کی دشواریوں اور پیچیدگیوں کو دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی آخر مجبوراً اس ارادہ کو ملتوی کرنا پڑا۔ ایک وجہ نظر اندازی یہ بھی ہے کہ اس چھوٹے سے رسالہ میں ایسی دقیق و وسیع علمی تحقیقات کی گنجایش بھی نہیں۔ یہ کام بڑے پیمانہ پر شروع کرنے کا ہے لیکن اس شعبہ میں کسی طرح کامیابی سے ناامیدی نہیں، لہٰذا اس وقت صرف اس عنوان سے روشناس کرا کے ہم اس کام کو آیندہ ناقدین کلام نظیر کے لئے چھوڑتے ہیں۔

مقبولیت باوجود اس گمنامی و ادبی کس مپرسی کے نظیر کے کلام کو جیسی مقبولیت حاصل ہوئی وہ بہت کم شعرا کو میسر ہوتی ہے۔ عوام الناس کو

نہ تھی جس کو ڈرمیٹک پوئٹری کا مرادف سمجھا جا سکتا، اس لئے اس طرز سخن کی عدم موجودگی نے اُردو میں ڈرامہ کی ترویج نہ ہونے دی۔ فی زمانہ اِس شعبہ میں کوششیں ہو رہی ہیں لیکن انہوں نے ابھی وقیع ادبی صورت اختیار نہیں کی۔

یورپ کے ادیبوں میں ایک زمانہ سے یہ رواج چلا آتا ہے کہ وہ لوگ

تقدیم و تاخیر کلام

اپنے شعرا کا کلیات باعتبار تاریخ مرتب کرتے ہیں۔ اول تو وہاں کے تمام شعرا خود ہی اس کا خیال رکھتے ہیں لیکن جن اساتذہ کے زمانہ میں یہ طریقہ مروج نہ تھا ناقدین و تبصرہ نگاروں نے اپنی کوششوں سے ان کے کلام کو بھی اسی طرح ترتیب دے لیا ہے۔ اِس کے بہت فوائد ہیں، منجملہ ان کے ایک بین فائدہ یہ بھی ہے کہ کلام کے بالاستیعاب مطالعہ کرنے والے کو شاعر کی ذہنی ترقی کا حال بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ تو مسلّم ہے کہ عمر و تجربہ کے ساتھ ساتھ کلام میں زور اور خیالات میں پختگی و سنجیدگی پیدا ہوتی جاتی ہے پس تاریخ وار ترتیب سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس زمانہ کا کلام دیکھنے کو دل چاہے فوراً ہی نکال کر دیکھ لیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات تو یہ التزام اس حد تک کیا جاتا ہے کہ نظموں کی تاریخیں بھی عنوان کے ساتھ ساتھ لکھ دی جاتی ہیں۔ باوجود حالات کی نایابی کے شیکسپیر کے کلام کی اس قدر چھان بین کی گئی ہے کہ یہ بھی پورے طور پر تحقیق ہو گیا ہے کہ کون سا ڈرامہ شاعر نے

ہے۔ اوّل یہ کہ گمنامی دونوں کی صفت مشترک ہے۔ جس طرح شیکسپیر کی قدردانی اس کی حیات میں نہ ہوئی اسی طرح میاں نظیر اپنی زندگی میں زیادہ مشہور نہ ہوئے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں ہم اوصاف شعرا کے حالات وسوانح عمری اس قدر کم دستیاب ہوتے ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں شیکسپیر زبان کا بڑا زبردست ماہر تھا تو نظیر کو بھی اپنی زبان پر بڑا عبور تھا، دونوں نے الفاظ کا استعمال اس کثرت سے کیا ہے کہ دونوں زبانو کے کسی شاعر نے اتنا نہیں کیا۔ دونوں کو ہمہ دانی، ہمہ گیری، نفسیات و معاشرت کے سمجھنے میں ید طولیٰ حاصل ہے، دونوں ہر کیریکٹر کو اس کمال سے لکھتے ہیں کہ اس کی ضمان ہی کی قلم سے اسی کمال سے لکھی ہوئی دیکھکر حیرت ہوتی ہے بشیکسپیر نے ڈرامہ لکھے ہیں لیکن نظیر نے ڈرامہ نہیں لکھے۔ ڈرامہ نویسی کے لئے اس کی بڑی ضرورت ہے کہ شاعر انسانی اطوار و اخلاق میں کامل بصیرت رکھتا ہو۔ نظیر کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان کی ہر ہر کنہ سے خوب واقف تھے اس لئے ان میں قوت ڈرامہ نویسی بدرجہ اتم موجود تھی۔ اگر وہ ڈرامہ لکھتے تو یقیناً ان کے کیریکٹر شیکسپیر کا مثنیٰ ہوتے لیکن افسوس یہ ہے کہ اہل اُردو کو اس کا مذاق ہی نہ تھا۔ اُردو میں ڈرامہ کا رواج نہ ہونے کے دو کافی وجوہ ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اہل ملک ڈرامہ سے ناواقف تھے دوسرے یہ کہ اصناف سخن میں کوئی صنف ایسی

روایات پارینہ و اساطیر قدیمہ کو جامۂ شعری پہنا کر اپنے جذبۂ قدامت پرستی کا
ثبوت دیا ہے۔ بھارت ورش کے واقعاتِ ماقبل تاریخ اور ہندو علم الاصنام
کے نیم مذہبی فسانہ و حکایات کو جس خوبی و حسن عقیدت سے نظم کیا ہے ہمارے
نزدیک فی زمانہ وہ کسی ہندو شاعر سے بھی ممکن نہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ ہندو
مذاق تہذیب کی جو چیزیں ہیں وہ خالص اسی قدیم رنگ اور ٹھیٹھ اسی زبان
میں منظوم ہیں، **نظیر** نے صرف سادہ واقعات کو ہی نظم نہیں کر دیا بلکہ
ایسی کامل مصوری کی ہے جس سے ہزاروں برس پیشتر کی ہندی
معاشرت کا سماں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے، انہوں نے اپنے
زمانہ میں اسلاف کی جس قدر تصویریں کھینچی ہیں وہ ساری ابھی تک
اسی آب و تاب کے ساتھ باقی ہیں۔ حاصل کلام **نظیر** کے کلام میں
سادگی، عریانی، پر اثری، صداقت، ترنم غرض ادب قدیم کی جتنی مختص النوع
خصوصیات ہیں سب موجود ہیں۔

شیکسپیر

شیکسپیر کی عظمت شاعری چونکہ مسلم الثبوت ہے اور چونکہ دنیائے
مغرب میں وہ آسمان ادب کا روشن ترین ستارہ ہے اس لئے
اردو کے انگریزی خوان ناقدین میں فی زمانہ یہ ایک فیشن سا ہو گیا ہے کہ وہ
اپنے موضوع تنقید شاعر کو شیکسپیر کا مقابل قرار دینے کی کوشش کرتے
ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ نظیر میں ہر حیثیت سے شیکسپیر کا ہم پلہ ہونے کی اہلیت

آخر کار ہر شخص اپنے تعلقات کے بوجب اس کے جنازے کو ایک خاص مقام تک پہنچاتا ہے، کچھ لوگ نماز جنازہ پڑھ کر رخصت ہو آتے ہیں، کچھ قبرستان تک پہنچا کر چلے آتے ہیں، کچھ قبر میں اُتار کر نکل آتے ہیں، کچھ دفن میں شامل ہو مٹی دے کر واپسی اختیار کرتے ہیں لیکن قبر میں کوئی ساتھ نہیں دیتا، وہاں سے ہنس بچارا اکیلا ہی سدھارتا ہے، نفس نامہ اول سے آخر تک نہایت عبرت انگیز نظم ہے، اس میں فریب محبت اور اس کے دل شکن انجام کا جیسا پُر درد مرقع پیش کیا ہے وہ قطعی غیر فانی ہے۔

ادب القدما | میاں نظیر کا کلام اب اُردو ادبیات کے لئے ادب القدما کی حیثیت رکھتا ہے۔ ادب قدیم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ علاوہ قدیم ہونے کے وہ سادہ اور موثر ہوا کرتا ہے اس میں الفاظ کی شان و شوکت کم ہوتی ہے مگر معانی کا زور زیادہ، نظیر کے کلام کی بھی بڑی خوبی یہی ہے کہ اس میں صاف، سیدھے، عام فہم مضامین نظم کئے گئے ہیں، شعری آرائشوں مثلاً تشبیہہ و استعارات کا اس حد تک لحاظ نہیں رکھا گیا کہ نفس مضمون پر اس کا اثر پڑے اور وہ ذہن سے بالکل مفقود ہی ہو جائے حسن بیان اور طرز ادا سے وہ کام لیا ہے جو تلازمہ و تلمیح کی ٹھونس ٹھانس سے لیا جاتا ہے، اسی باعث معمولی معمولی تشبیہوں میں خاص لطف اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے بڑے اثر و نتائج پیدا ہوتے ہیں، سادگی و عدم تصنع کے ماسوا، نظیر نے

بے سود ہیں، اس کی پیہم جد و جہد مستقل سفر و بے سر و سامانی کا آخر میں اسے کوئی ثمرہ نہیں ملے گا تو دنیا کے تمام مشاغل سارا انہماک ہیچ معلوم ہونے لگتا ہے۔

ھنس نامہ میں، طیور کا تلازمہ ہے، مختلف اقسام متباین عادات و خصائل کے باشندگان عالم کو مختلف النسل طیور کا مرادف و ہم طریق قرار دیا ہے، اس نظم میں بھی سلسل تمثیل ہے اور تمثیل کے جملہ مراتب فسانہ کے ہم رتبہ مقامات پر حاوی ہیں۔ ظاہر ہے کہ سوسائٹی کے جملہ افراد کو باہمدگر، نہایت انس و محبت ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تو یہ جذبات اس قدر ترقی کر جاتے ہیں کہ یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ بغیر ایک دوسرے کے دیکھے کوئی چارہ نہیں بلکہ زیست محال ہے ہنس کی ہمجلیسی نے سارے طائروں میں یہی خیال پیدا کر دیا تھا کہ اس کی فرقت برداشت نہ ہو سکے گی اس لئے سب نے اپنی اپنی ہمت کے مواقع اس کی رفاقت کی کوشش کی لیکن سب تھک تھک کر رہ گئے

آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

اسی طرح انسان جب اپنے وطن حقیقی کی طرف مراجعت کرتا ہے تو اس کی اولاد، عزیز و اقارب، دوست احباب اس کی جدائی کے خیال سے اپنا برا حال کرتے ہیں، اور کم از کم تھوڑی دیر کے لئے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کاش ہم بھی اسی کے ساتھ چلے جاتے کہ یہ رنج ہمیں دیکھنا نہ پڑتا۔

کے سیمیائی جلووں کی بے ثباتی کا نقشہ نہایت لطیف و شاعرانہ انداز میں کھینچا ہے۔

بنجارہ نامہ میں نہایت مؤثر پیرایہ میں دکھلایا ہے کہ انسان حرص و ہوا میں مبتلا ہو کر حصول زر کی خواہش کرتا ہے اور اسی مدعا کو پورا کرنے کے لئے طرح طرح کی کوششیں کرتا اور قسم قسم کی تکالیف و صعوبتیں برداشت کرتا ہے لیکن اس عمل اور جد و جہد کے دور ان میں وہ موت سے جس سے کسی حالت میں مفر نہیں بالکل بیخبر ہو جاتا ہے، یہانتک کہ موت یکایک اس کو آ دباتی ہے اور اس کا تمام مال و جواہر، ساز و سامان، سیم و زر، عزیز و اقارب حتیٰ کہ اسکی اولاد تک اس کے کام نہیں آسکتی۔ یہ نظم نہایت دلگداز پیرایہ میں لکھی گئی ہے، اس کی بحر کے ترنم میں ایسا درد پنہاں ہے جو دل پر ایک چوٹ سی لگاتا ہے، اس پر لطف یہ ہے کہ اول سے آخر تک نظم میں ایک موعظانہ انداز ہے تمثیل کے لئے بنجارے اور اس کی زندگی کا تلازمہ اختیار کیا گیا ہے، علاوہ اس کے کہ بنجارے کی تمثیل اہل ہند کو نصیحت کرنے کے لئے ایک حکیمانہ تلاش ہے، بنجارہ کا نام اور پیشہ کچھ فطرتاً ایسی رومانی و پرفسانہ چیزیں ہیں جن کا ذکر آتے ہی، جد و جہد، سفر، بے سر و سامانی، قیام عارضی، خانہ بدوشی کے خیالات خود بخود سامنے آنے لگتے ہیں جن سے رحم کا جذبہ برانگیختہ ہوتا ہے اور جب ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتا دیا جائے کہ اُس کی ساری کوششیں لاحاصل، جملہ مساعی

جس طرح پہیلی مطوّل تشبیہ ہے اسی طرح تمثیل ایک مطوّل استعارہ ہوتی ہے،
ایلیگری، مصنّف کے مطالب، دلائل، اور تلقین کو انسانی یا اور کسی مادّی
شکل میں ملبوس کر کے پڑھنے والے کے ادراک سے قریب تر کر دیتی ہے،
اس طرح تجزیہ مفہوم کرنے اور الفاظ مرقومہ سے مطالب معنوی اخذ کرنے میں
جو جہد ذہنی شمول ہوتی ہے وہ بھی فی نفسہ نہایت دل آویز اور تہیّج ہو جاتی
ہے ایلیگری میں قصہ اور مفہوم معنوی ایک دوسرے کے متقابل ہوتے ہیں
لیکن یہ تو شاذ بلکہ قریب قریب کبھی نہیں ہوتا کہ یہ تقابل جملہ مراتب میں مکمل
رہے، پس ایک مسلسل اور مطوّل ایلیگری میں، ایلیگری عموماً فسانہ پر غالب
آکر اس کی دلچسپی کو زائل کر دیتی ہے، بہر حال ہمیں اس وقت ایلیگری کی
ماہیت اور اس کے تاریخی ارتقا پر بحث کرنی منظور نہیں، صرف اتنا دکھانا ہے کہ
نظیر کے کلام میں یہ لطف ادب بھی موجود ہے اور لوکل کلر کی طرح یہ بھی ان ہی کا
طبع زاد ہے۔ ایلیگری کا استعمال ہر قوم و ملت کی مذہبی و آسمانی کتب اور یونان
و روما کے ادب قدیم اور دیگر ادب القدما میں بھی ہے لیکن اُردو شعرا کو اس
سے مس بھی نہیں۔ یوں تو تمثیلی نظمیں نظیر کے کلام میں متعدد ہیں لیکن
بنجارہ نامہ، ہنس نامہ، اور خواب خاص دلچسپی کی چیزیں ہیں۔ اول الذکر دو
نظمیں تو بہت ہی عمیق اور بلند پایہ تمثیلیں ہیں لیکن خواب میں کسی قدر رندانہ
جھلک ہے تاہم اس میں بھی احوال دنیا کی فوری دگرگونی اور تماشہ گاہ عالم

پپیہے کی پی پی، سب ہندوستان کی مقامی دلفریبیاں ہیں۔ اس کے ساتھ کمال یہ ہے کہ جن چیزوں سے ان کو تشبیہ دی گئی ہے، مثلاً لبِ مالیدہ مسی، ماتھے پر ہاتھی کے شنگرف، وہ بھی خالص ہندوستانی چیزیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ صنعت کسبی یا اختیاری نہیں بلکہ خالصتاً فطری اور حقیقی شاعر کا حصہ اور ناگزیر جزوِ طبیعت ہوتی ہے، اس لئے جو شخص جس مقام کا باشندہ ہے، اور ذرا بھی صحیح حسِ شعری رکھتا ہے وہ وہاں کے مناظر اور ما بہ الامتیاز چیزوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا بس انہیں کیونکر نظر انداز کرے گا، لیکن اگر کسی شاعر کی نظر اپنے ملک کے خصائص پر کسی نہ کسی عنواں سے نہیں پڑتی تو اس کے مکمل شاعر ماننے میں ہمیں کلام ہے ظاہر ہے کہ نظیر نے کسی کے تتبع میں لوکل کلر اختیار نہیں کیا بلکہ یہ خیال ان کا طبعزاد تھا، اسی سے صاف ظاہر ہے کہ بعض صنائع شعری فطری ہوتے ہیں اور شعر سے اس طور پر ان کا علاقہ ہوتا ہے کہ حساس طبیعت انہیں خود بخود پیدا کر لیتی ہے۔

لفظ ایلیگری یا تمثیل قریب قریب شاعری کا مرادف ہے۔ اس لئے

ایلیگری یا تمثیل

کہ شاعری خود ایک قسم کی لفظی مماثلت ہے جس میں پسندیدہ الفاظ سے دلپذیر پیرایہ میں اصل واقعات کی تصویر کھینچی جاتی ہے ایلیگری اور شاعری دونوں میں افکار مجردہ ہیولائی شکل میں نمودار ہوتے ہیں،

ہوتا ہے کہ دوسرے ماحول میں اس کا وقوع محض ایک لایعنی سی بات ہو جاتی ہے۔ مثلاً نظیر کی "ہولی" پیش کی جا سکتی ہے، ہولی کا تہوار خاص ہندوستان کی سرزمین اور آب و ہوا سے وابستہ ہے انگلستان یا عرب میں اس کا وقوع ناممکن ہے وہاں کی موسمی کیفیات وہاں کے رسم و رواج اس کی اجازت نہیں دیتے اس لئے وہاں کے شعرا میں اس قسم کے جذبات جبلتاً پیدا نہیں ہو سکتے۔ اُردو میں اس لطیف عنصر کا فقدان شاعری کے فطری شعبہ میں بڑی بدنما کمی ہے۔ قدیم اساتذہ کے کلام میں تو اس کا استعمال قطعی نہیں لیکن اس زمرہ میں نظیر کی شاعری اس الزام سے بری ہے بلکہ غالباً نظیر ہی ایسا شاعر ہے جس نے اپنے وطن کی خصوصیات کو شاعری میں داخل کیا ہے، دیکھئے:۔

اس سیہ ابر میں یوں اُڑتے ہیں بگلے جیسے
لب بالیدہ مسی میں دُرِ دنداں کی ضیا
جگنو اس طرح چمکتے ہیں کہ جوں وقت سنگار
ماتھے پر ہاتھی کے شنگرف ہے گویا چھیٹر کا
مور کا شور، فغاں غوک کی، جھینگر کی جھنکار
پی پی ہے آن پپیہے کی ہے کوئل کی صدا

سیہ ابر میں بگلے کا اڑنا۔ جگنو کی چمک، غوک کی فغاں، جھینگر کی جھنکار

بے موقعہ نصیحت نہیں کرتے لیکن کسی موقعہ کو ضائع بھی نہیں جانے دیتے ۔
یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام کو قبولیت اور ان کی موعظہ کو پُر اثری کا فخر حاصل
ہے۔ نظیر کے حکیمانہ پند و نصائح کی تفصیل تو کہاں تک دیجائے مگر نیک کرداری
خوش معاملگی، پاکبازی، خداترسی، باہمی ہمدردی، ایمانداری، وسیع الاخلاقی،
صداقت کی تاکیدانہ تلقین، بخل، محبت زر، مکائدگری، دنیا پرستی،
ہوا بازی کی ہجو، اور سخاوت، شجاعت، منکسر مزاجی، خودداری کی تعریف
غرض ہر قسم کی موعظہ حسنہ جس جس اسلوب سے کی ہیں اُن کی اہمیت میں
کسی کو مجال دم زدن نہیں۔

لوکل کلر یا مقامی رنگ | اُردو میں لوکل کلر یا مقامی رنگ کی رنگ آمیزی نظیر
کی اولیات میں سے ہے۔ یہ وہ عرض غیر منفک ہے جو کلام کے ساتھ
مستقل طور پر وابستہ ہوتا ہے۔ اس کا ایک لازمی خاصہ یہ ہے کہ کلام
سے اس کی علیحدگی بہر نوع ناممکن ہوتی ہے۔ اگر کوئی لوکل کلر اپنے مقام
سے جدا کر دیا جائے تو اثر و لطف زائل کر دینے کے ساتھ ساتھ اس کی غیبت
مقصد اصلی کو بھی فوت کر دیتی ہے یعنی جس نتیجہ کی توقع کی جاتی ہے وہ
برآمد نہیں ہوتا اس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا غالباً زیادہ درست
ہوگا کہ لوکل کلر کی موجودگی میں نظم کی ساری بنیاد صرف اُسی پر قائم ہوتی
ہے، نظم یا فسانہ جو کچھ بھی ہو وہ مقامی خصوصیات کے ساتھ اس طرح مخلوط

اچھی طرح دکھا کر اور اُس کے جملہ قبائح کی تفصیل من وعن پیش کر کے اُس سے احتراز کرنے کے لئے کہا جائے تو طبیعت فوراً قبول کر لیتی ہے۔ پس نظیر کو جب کسی معیوب شغل زندگی یا ملعون صیغۂ معاشرت کی برائیوں سے قارئین کو متنبہ کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلے اس فعل کا من وعن نقشہ کھینچتے اور اس کی تمام ظاہری دلفریبیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جب اُس کی سیمیائی نظر فریبیوں کی جملہ تفصیلات کی تشریح کر چکتے ہیں تو نہایت دلپذیر پیرایہ میں اس کے معائب کی مکمل تصویر پیش کر کے اس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کرتے ہیں اس طرح پڑھنے والے کے دل پر ایسا مستقل نقش قائم ہو جاتا ہے جس کو کوئی شیطانی وسوسہ زائل نہیں کر سکتا۔ ڈرامہ اور بائیسکوپ (تصاویر محرکہ) کے تماشوں کے ذریعہ سے نصیحت کرنے اور نفسیات پر مستقل اثر ڈالنے کا طریقہ جو آج عقلائے یورپ نے ایجاد کیا ہے وہ صدیوں پیشتر اس ہندوستانی سخنور کے کلام میں مستعمل ہے۔ لقمان کی بابت مشہور ہے کہ وہ اپنے عارضی مالک کو نصیحت کرنے کے لئے عرصہ تک مناسب موقعہ کا منتظر رہا۔ فصل کٹنے کا وقت اس کے نزدیک نصیحت کا بہترین محل تھا، اس نے پوری قوت سے اپنا فرض انجام دیا اور اس کی نصیحت نے بالیقین اپنا مستقل اثر چھوڑا۔ نظیر نفسیات انسانی کے ماہر ترین نباض تھے وہ کبھی

کا ایسا نازک توازن قائم رکھا ہے جس پر تفریق مذہبی کا بڑے سے بڑا حامی اور بدبیں سے بدبیں متعصب بھی اعتراض نہیں کر سکتا یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ نظیر اپنے مذہب میں بڑے راسخ الاعتقاد تھے۔ ایسی صورت میں اتنی کامل رواداری اور ایسی خالص بے تعصبی دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے، بادی النظر میں دونوں فرقوں کے افراد کے لئے باوجود نظیر کے مطمح نظر کی پیروی محال معلوم ہوتی ہے لیکن وحدت شناسوں کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ کاش ملک میں نظیر جیسے دو چار شاعر اور پیدا ہو جاتے تو آج ہندوستان کو یہ روز نہ دیکھنا پڑتا۔

اب نظیر کے موعظانہ انداز کو لیجئے۔ نصیحت کرنے کے ہمیشہ دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک تو بالواسطہ دوسرا بلاواسطہ۔ نظیر نے اپنے کلام میں ان دونوں طریقوں سے کام لیا ہے لیکن اول الذکر کا مصرف بہت زیادہ ہے۔ بلاواسطہ نصیحت کا اثر سننے والے پر محض ایک لطیفہ کا سا ہوتا ہے نہ اسکی یاد دیرپا ہوتی ہے نہ اسکا اثر قیام پذیر۔ لیکن بالواسطہ نصیحت ہمیشہ نہایت کارگر ثابت ہوتی ہے۔ نظیر نے زیادہ تر بالواسطہ نصائح سے کام لیا ہے۔ انسانی فطرت کا مقتضا ہے کہ جب کوئی بات ممنوع قرار دیدی جائے تو اس کی طرف طبیعت خواہ مخواہ مائل ہوتی ہے اور اسکی خیالی دلچسپیاں خواہ وہ فعل اُن سے قطعی معرّا ہی کیوں نہ ہو طرح طرح سے دل لبھاتی اور استقلال پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن جب اسی چیز

زور شعر کو بڑھانا اور ایک قسم کا دلگداز ترنم پیدا کرتا ہے جس کا لطف صرف بار بار پڑھنے سے ہی آسکتا ہے۔

اخلاقی پہلو

نظیر کی قوت بیان دکھا کر اب ہم اُن کے کلام کو اخلاقی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں شاعرانہ زور طبیعت نے غیر معمولی بیباکی اختیار کرلی ہے۔ اُن کا مطالعہ بلا شبہہ سنجیدہ طبائع کو شاق گزرتا ہے لیکن قطع نظر اس کراہت و گرانی کے کلیات نظیر میں ایک بہت بڑا جزو ایسا بھی ہے جو ستھرے خیالات، سنجیدہ جذبات، اور پاکیزہ نظریات سے مملو ہے۔ ہمارے پیش نظر اس وقت صرف یہی حصہ ہے اور اس تحت میں ہم صرف اسی سے بحث کرینگے۔ نظیر کے اخلاق کا سب سے زیادہ تاباں جوہر اُن کی بے تعصبی ہے۔ اگر وہ کسی جگہ اسلامی معاشرت کے کسی صیغہ پر روشنی ڈالتے ہیں تو دوسری جگہ فوراً ہی ہندو سوسائٹی کے ہم رتبہ و ہم رنگ شعبہ کا تذکرہ اسی حیثیت سے کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک مصرع میں مسجد کا ذکر ہے تو دوسرے میں مندر کا تذکرہ لازمی ہے۔ جس طرح کسی منطقی قیاس میں مقدمہ کبریٰ کے بعد مقدمہ صغریٰ کا وجود اخذ نتیجہ کے لئے ضروری ہے اسی طرح نظیر کے یہاں درویشوں اور صوفیوں کی حالت رقم ہونے کے بعد ہندو جوگی اور تیاگی کا بیان ناگزیر ضروریات اخلاق میں سے ہے۔ نظیر نے اپنی شاعری میں ہندو مسلم جذبات

نوعی کی چھان بین کر ڈالتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی نگاہ میں کتنی ہمالی اور بیان میں کتنی وسعت ہے۔ واقعات کی مصوری کے لئے اول تو اس امر کی ضرورت ہے کہ جملہ مدارج پر شاعر کی نگاہ حاوی ہو دوسرے یہ کہ اسکو اپنے کلام پر بھی قدرت ہو۔ اگر یہ دونوں چیزیں موجود ہوں تو مرقع کا ہیولی بہترین بن سکتا ہے۔ نظیر میں یہ دونوں خصوصیتیں کمال کے ساتھ موجود تھیں۔ واقعات و احوال عالم کی بصیرت و وقفیت کے علاوہ وہ زبان پر پورا عبور اور محاورں پر بڑا تبحر رکھتے تھے، ان خوبیوں کیساتھ ساتھ تخیل کی رنگینی اور بیان کی سلاست و روانی انکے مرقع پر رنگ تکمیل کا کام کرتی ہیں۔ اس پر نظم کی برجستگی و بیساختگی ادائے مطالب کی سہولیت و بے تکانی کلام کی زیب و زینت پر اور چار چاند لگا دیتی ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جس قدر تصویریں کھینچی ہیں وہ ہر لحاظ سے مکمل اور ہر عنوان سے نظر زیب ہیں جن میں خط و خال کے اعتبار سے اصل و نقل کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ قوت بیان اور صورت گری میں نظیر، انیس کے ہم پلہ ہیں۔ یہ مملکت انہی دونوں سخنوروں کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ قادر الکلامی کی وجہ سے بیان میں جو شیرینی و فصاحت ہے وہ حسن شعری کو اور افزوں کرتی ہے۔ ٹیگور کی نظموں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ایک خیال کو بار بار دہرایا جاتا ہے۔ یہ التزام نظیر کے کلام میں عام طور پر ہے، مسدسوں اور مخمسوں کے آخری مصرعوں کا ہر بند میں اعادہ

ہجر و وصال، سوز و گداز کا عنصر اس قدر زیادتی کے ساتھ موجود ہے کہ مثنوی کا منشا صحیح نوعی لوازمات میں خلط ملط ہو کر ایک حد تک مفقود سا ہو جاتا ہے۔
بہر حال واقعہ نگاری کا حق ادا نہیں ہوتا۔ اساتذہ میں نظیر پہلا شخص ہے جس نے اس نوع کی شاعری پر خامہ فرسائی کی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے کلام میں بیشتر حصہ بیانیہ نظموں ہی کا ہے۔ نظیر اس طرز خاص کے شیدائی ہی نہ تھے بلکہ اس کے بڑے ماہر بھی تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ موجد اپنی ایجاد کو تکمیل پر نہیں پہونچا سکتا بلکہ متاخرین اس کی کمی اور کوتاہیوں کو پورا کیا کرتے ہیں، نظیر کے معاملہ میں ایسا نہیں انہوں نے بیانیہ طرز سخن کو اُردو میں خود ہی پیدا کیا اور خود ہی اسکی تکمیل بھی کر دی۔ انہیں معاملہ بندی اور واقعات نظم کرنے کا بڑا ملکہ تھا۔ میلوں کی کیفیتیں اور ہندو مسلمانوں کی مذہبی اور معاشرتی تقریبوں کو جہاں بیان کیا ہے ان کی معمولی سی معمولی تفصیل بھی نظر انداز نہیں کی۔ جس جگہ فصل کی دلچسپیوں اور موسم کی دلفریبیوں کا نقشہ کھینچا ہے وہاں شاعرانہ رنگ آمیزی کے ساتھ اصلیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہر شعبہ کی ادنیٰ ادنیٰ چیز پر ان کی نظر ہے اور اس کو بیان کر دینے سے ان کے کلام کی زینت دوبالا ہوتی ہے، برسات کے موسم میں سبزوں پر جو بیر بہوٹیاں اور ٹیلوں پر دھتورے پیدا ہو جاتے ہیں وہ بھی ان کی باریک بین نظر سے نہیں بچتے۔ وہ جس صیغہ کو اٹھاتے ہیں ابتدا سے انتہا تک اس کے خصائص

بلکہ جاننے والے بھی ناپید ہو چکے۔ یہ رسوم تو اب قطعی مفقود سمجھنے چاہئیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جنکی صرف صورت بدل گئی ہے پہلے وہ کچھ تھے اور اب امتداد زمانہ سے بدل بدلا کر کچھ کے کچھ ہو گئے ہیں مگر بہ صورت مبدل قائم او رجاری ضرور ہیں، بہرحال نظیر کے کلام سے ہر رواج کا سراغ بخوبی لگ سکتا ہے اور اگر کوئی شخص چھان بین پر آمادہ ہو تو تمام رسوم و رواج کو ان کی اصلی ہیئت میں دیکھ سکتا ہے مورخ معاشرت کے لئے نظیر کا کلام نہایت بار آور مرکز تلاش تجسس ہے اور تاریخ تمدن کی ترتیب و تدوین کے لئے نظیر کے کلام سے نہایت پُر معنی اور نتیجہ خیز معلومات حاصل کیجا سکتی ہے۔

خاکیانہ انداز سخن اُردو زبان کے شعرائے عام طور پر غزلیں زیادہ کہیں اور جہانتک ممکن ہوا اسی طرز سخن کو روز بروز ترقی دینے کی کوشش کی، طرح طرح کے مضامین پیدا کئے، بندشوں میں جدت پیدا کی، طرز ادا کے انوکھے ڈھنگ نکالے، ان باتوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عمق تخیل کے ساتھ الفاظ میں نہایت شستگی و دلفریبی پیدا ہوتی گئی مگر باانیہمہ شاعری پر رنگ تغزل غالب رہا یہی وجہ ہے کہ آج عاشقانہ جذبات سے تو اُردو شاعری اس قدر مالامال نظر آتی ہے لیکن اساتذہ کے کلام میں بیانیہ کلام کا سرے سے پتہ ہی نہیں۔ شعرائے متقدمین تغزل میں اس قدر منہمک رہے کہ اس طرف کبھی کسی نے توجہ ہی نہ کی ہاں کسی کسی نے مثنویاں لکھ کر اس طرز سخن کا کچھ کچھ حق ادا کیا ہے۔ لیکن مثنویوں میں بھی عشق و محبت

معاشرت کا حال معلوم ہوگا، ایسا سمجھنا غلطی ہے، وہ ہندوؤں کی معاشرت
کے بھی اتنے ہی بڑے ماہر ہیں جتنے مسلمانوں کے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ ہندو
شعرا میں ایسے بہت کم نکلیں گے جو ہندو معاشرت دانی میں نظیر کا مقابلہ
کر سکیں، اُن کی نگاہ کی وسعت انہیں ہر طبقہ کی حالت سے بخوبی واقف
رکھتی ہے، کچھ ہندو مسلمانوں ہی پر منحصر نہیں بلکہ ہندوستان کی ہر قوم کی
معاشرت کو وہ یکساں طور پر سمجھتے ہیں، اُمرا کے طریق زندگی اُن کے
روزمرہ کے مشاغل، ان کی دلچسپیوں تفریحوں کے اسباب، متوسط الحال
لوگوں کی طرز معاشرت، غربا کے عادات و اطوار، عام شہریوں کے لہو و لعب،
شہر کے مختلف پیشہ وروں کے چال چلن، اہل ہنود کے تیوہار، مسلمان اور ہندو
خواتین کے رسم و رواج، خانگی زندگی کی کیفیت، صوفی و فقرا کے خصائل،
آزادوں، بدمعاشوں کے تماشے، بنیوں کی بدوضعی، بھکڑوں کی عریانی، میلے
ٹھیلوں کی رنگ رلیاں، انکے علاوہ اور بہت سی باتیں غرض معاشرت
کے جتنے کوائف ہیں سب کا کچھ نہ کچھ تذکرہ موجود ہے، پرانے زمانہ کے رسوم میں
بہت سے تو ایسے ہیں جن کے جاننے والے اب تک موجود ہیں، بہت سے
ایسے ہیں جن کا چرچا صرف ادنیٰ یا مبتذل طبقوں میں ہے شریفوں میں ان کا
رواج ترک ہو چکا ہے لیکن بہت سے رسوم ایسے بھی ہیں جن کا عامل اب کوئی نہیں

کی مٹی کا بنا ہوا ہے اس لئے وہ اُس کی سوندھ پر فدا ہیں، کورے برتن میں گنگا کا پانی پینا انہیں آبِ حیات سے زیادہ خوشگوار ہے اور اسی سلئے وہ اس کو جامِ جمشید پر ترجیح دیتے ہیں۔

معاشرت نگاری

نظیر کا کلام ان کے زمانہ کی معاشرت کے ہر پہلو کے متعلق ہے، مغربی معاشرت کے ورود نے ہندوستانی طرزِ زندگی میں بڑا تغیر پیدا کر دیا ہے، نشست و برخاست کے قرائن، اکل و شرب کے طریق، رفتار و گفتار کے انداز، باہم گر تعلقات و موانست کے قواعد، آداب مجالس غرض ہر قسم کے عوائد معاشرت پر بڑا اثر پڑا اور ان میں بہ نسبت بیشتر کے اب بہت بڑا اختلاف پیدا ہو گیا ہے، اس لئے فی زمانہ ہندوستان کی معاشرت ایک مخلوط شے ہے جس سے قدیم طرزِ زندگی کا بمشکل صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے، قدیم صحبتیں اور اُن کے رونق دینے والے تو اب کہاں میسر ہاں اُن کا ذکرِ خیر افسانہ یا ان کہن کی طرح کتب سیر یا اساتذہ قدیم کے کلام میں ضرور دستیاب ہو سکتا ہے، چنانچہ نظیر کا کلام اسی قبیل کی شاعری ہے جس سے معاشرت قدیم کے از یاد رفتہ حالات مستنبط کئے جا سکتے ہیں اُن کے کلام میں خالص ہندوستانی معاشرت کا تذکرہ ہے اور کسی نہ کسی پہلو سے معاشرت کے ہر شعبہ پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور ڈالی گئی ہے، نظیر کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کوئی شخص یہ خیال کرے کہ نظیر سے صرف مسلمانوں کی قدیم

ہزار داستانی میں کوئی واقعی دلچسپی نہیں پیدا ہوتی، ڈھیرکی لرزاں آہیں، کوئل کی
درد بھری کوک، پپیہے کی پیہم نالہ وزاری، پی کہاں پی کہاں کی پُرالم صدائیں وہ
اپنے کانوں سے سنتے ہیں اس لئے ان کی غمخواری پر آمادہ ہیں، لال، بئے
مینا، طوطی، کبک، تدروں کے دلکش ترانے اُن کے فطری ترنم کو محرک
کرتے ہیں اور وہ اُن کی مسرتوں میں حصہ لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں،
اُن کی بازی و اشتغال کے طائر سارے ہندوستانی ہیں، روزمرہ کی زندگی
میں وہ نظیر کو طرح طرح سے لبھاتے ہیں، اور شعر کہتے وقت مثالیں اور تشبیہیں
بنکر اُن کے سامنے آحاضر ہوتے ہیں، ہندوستانی پھولوں کی عطر پاشیاں
اُن کے دماغ کو ہر وقت معطر اور ان ہی پھولوں کی نظر فریب خوش رنگیاں
ان کی نگاہوں کو ہر لحظہ بشاش و خنداں رکھتی ہیں، راہیل، سیوتی، بیلا،
چمیلی کی بھینی بھینی خوشبوئیں، چمپا کی مست مست نکہتیں، گلاب کے قرابے
ہر وقت اُن کے لئے وقف ہیں، اُن ہی نغموں میں متمکن ہو کر مبدا فیض سے وہ
اپنا الہام حاصل کرتے ہیں اور اہل ذوق کی تفریح کے لئے وہ ان نغموں کی شکل میں
منتشر کرنے کے لئے شعر کے سانچہ میں ڈھالتے ہیں، جاڑا، گرمی، برسات خاص ہندوستان کے
موسم ہیں اس لئے ان کو عزیز ہیں، آموں کی افراط صرف ہندوستان میں
ہوتی ہے اس لئے وہ اس کا ذکر کرنا اپنے ملک کی خصوصیت کا اظہار سمجھتے ہیں،
بسنت ہندوستان کا موسمی تیوہار ہے اس لئے انہیں عزیز ہے، گویا برت خاص ہندوستان

پر مبنی ہوتی ہیں عرب کے خانہ بدوش بدوکی پرحرب زندگی اُن کے لئے کوئی جاذبیت نہیں رکھتی مگر ہندوستان کا امن کوش صحرانورد بنجارہ اُن کے دل پر گہرا اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ اسکی معاشرت سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کی تمثیل سے فوراً اپنی اعلیٰ ترین تخئیل کے لئے لباس تیار کر لیتے ہیں، ایرانی بادشاہوں کی عظمت وشان کے افسانے شعرا کے کلام میں عام طور پر مذکور ہیں، لیکن اکبر کی پرشکوہ زندگی اور ہندوستان کے دیگر سلاطین جلیل القدر کی شوکت وجبروت کا نقش نظیر کے قلب پر مرتسم ہے، دارا وسکندر، جمشید وفریدوں کا ذکر کرتے ہوئے انہیں اپنے ملک کا عظیم الشان شہنشاہ اکبر فوراً یاد آجاتا ہے اور اس کی تلمیح وہ اپنے کلام میں قائم کر لیتے ہیں۔ ایران وعرب، بابل ونینوا، اور دیگر ممالک قدیمہ کے مشہور مقامات ہندوستانی شعرا کے نوک زبان سہی مگر نظیر اپنے وطن کے تاریخی مقامات کا رتبہ کسی طرح، چاہ بابل اور دیوار چین سے کم نہیں سمجھتے، وہ ہانسی حصار، چتور گڈہ، کالنجر کا ذکر کر کے سلف کے فراموش کردہ کارناموں کی یاد تازہ کرنا چاہتے ہیں۔

ذہنی گلستاں اور خیالی چمن انکے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتے کیونکہ اس قسم کی ہزاروں چیزیں ان کے دماغ میں موجود ہیں وہ ہمیں ہندوستان کے باغوں کی سیر کرانا چاہتے اور وہاں کے ہر پھول کی خوشبو سے ہمیں مانوس کرنا چاہتے ہیں، بلبل ہندوستان کی سرزمین میں ناپید ہے اس لئے نظیر کو اس کی خیالی

کہ فطرت کا ودیعت کردہ پیغام انہیں ہندوستانیوں کو پہونچانا تھا اس لئے وہی زبان اختیار کرنی لازمی تھی جو پیغام سننے والوں کی تھی، وہ زبان نہ تو معرب و مفرس اُردو تھی نہ سنسکرت کے نامانوس الفاظ والی برج بھاشا، بلکہ سیدھی سادی عام فہم ہندوستانی جس میں بھاشا اور اُردو دونوں کے معمولی معمولی الفاظ شامل تھے۔ فارسی میں بھی نظیر کا کلام نظم و نثر موجود ہے لیکن وہ اُردو کلام کے مقابلہ میں بہت کم ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صرف ذاتی تفریح اور اپنی خاص صحبت کے ارباب علم کی ضیافت طبع کے لئے تھا، عربی فارسی اور ترکی زبانوں کو وہ بدیشی زبانیں سمجھتے تھے اس لئے ان پر انحصار کرنا اور اُن سے زیادہ مدد لینا انہیں گوارا نہ تھا۔ اِن دونوں زبانوں کے ثقیل الفاظ کے استعمال سے بھی وہ اجتناب کرتے تھے بلکہ حبّ وطنی یہانتک مجبور کرتی تھی کہ بھاشا کے الفاظ کی زیادہ تر ترویج اُردو میں کریں اور اس طرح انہیں مانوس بنائیں۔ جذبات و محسوسات کے لحاظ سے بھی نظیر قطعی ہندوستانی شاعر ہیں، ہندوستان کے دریا، ہندوستان کے پہاڑ، ہندوستان کے مناظر، انہیں بہت گرویدہ کرتے اور ان کی بڑی دلچسپی کا سبب ہیں، وہ خیالی مناظر سے لطف اندوز نہیں ہوتے خیالی بہار کا سماں نہیں کھینچتے بلکہ ہندوستان کی برسات کی بہاریں اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور انہیں نظم کرتے ہیں۔ اُن کی تشبیہیں اُن کے استعارے ہندوستانی مناظر قدرت کی چیزیں ہیں اور ان کی مثالیں ہندوستانی زندگی

اور ازلی اختراع کاری کچھ اتنی عاجز نہ تھیں کہ وہ خود بخود اس نکتہ تک نہ پہونچ سکتے۔ غالباً ملک کے مذاق کی رعایت اور شعرا کی روشِ عام کی مطابقت نے اُن سے ایسا کرایا۔ پہلے ہی وہ بہت سے دیرینہ قیود اور قدیم بندشیں توڑ چکے تھے اگر اس قانون کی بھی خلاف ورزی کرتے تو نہ معلوم اور کتنے متہم کیے جاتے۔ غالباً یہی وجہ اس کی پابندی کی ہو سکتی ہے، مگر ان کی آزاد خیالی دیکھتے ہوئے یہی کہنا ہے کہ وہ اپنی طبیعت کو کسی پابندی کی ماتحت دیکھنا نہ چاہتے تھے۔ پھر کیونکر اپنے خیال کے خلاف اس فاش رکاکت کو جائز رکھا یہ نکتہ نظیر کی شاعری کا ایک لاینحل مسئلہ ہے، بہر حال اس غلطی کے ارتکاب کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی، عمداً یا سہواً کسی کے تتبع میں یا بطور خود جس وجہ سے بھی ہو یہ عیب کلام میں موجود ہے اور ہر حالت میں خود نظیر اس کے ذمہ دار ہیں۔

نظیر ہر لحاظ سے قطعی ہندوستانی شاعر ہیں۔ وہ ہندوستان کے باشندے ہیں اور ہندی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اپنے ولایتی ہونے کا دعویٰ کر کے لوگوں پر غلط اثر ڈالنا یا ان کو مرعوب کرنا نہیں چاہا۔ تحمل، بردباری، انکسار جو ہندیوں کے اجزائے سرشت ہیں وہ سب اُن میں موجود تھے۔ نظیر کی مادری زبان اردو ہے اور اسی زبان کو انہوں نے اپنے اظہار خیال کا ذریعہ قرار دیا ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ فارسی گوئی سے قاصر تھے بلکہ اس لیے

خالص ہندوستانی شاعر

اور اُسی کے گیت جابجا گاتے پھرتے ہیں۔

معشوق کی تذکیر

دورِ قدیم کے اُردو شعرا نے مرد کو اپنا معشوق گردان کر اسی جنس کرخت پر تمام ناز کجیا لیاں صرف کی ہیں اور اسی محل ناقص کو جذبات محبت و یگانگت، درد و خلش، سوز و گداز کا مرکز قرار دیا ہے۔ کلام میں جابجا مذکر کی ضمیر کا استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ تخاطب عورت کی طرف ہے، ظاہر ہے کہ یہ فارسی شعرا کا غیر محسوس اثر ہے جو اب تک دلوں پر اُسی قدر گہرائی کے ساتھ قائم ہے ایرانی ادبیات کا اضطراری اتباع اور اس کے ساتھ بھاشا شاعری کی عدم واقفیت بھی بہت کچھ اس فاش ادبی غلطی کی ذمہ دار ہیں، فطری جذبات کے درمیان وجود مشترک کا ورود علاوہ بدنمائی اور شعر کی نزاکت طبعی زائل کر دینے کے فی نفسہٖ نہایت مذموم ہے، تخئیل کی ثقالت تکدّر و تنغص کا ایسا گراں بار دماغ پر ڈالتی ہے جس کی گرانی شعر کے لطیف اجزا پر غالب آ کر اُسکی مسرت آفریں کیفیت کو محسوس نہیں ہونے دیتی، نظیر کی شاعری ہر قسم کے تصنع اور جملہ غیر فطری آلائشوں سے مبرا ہے لیکن یہ ایک ایسا عام عیب ہے جس سے نظیر کا دامن عصمت بھی پاک نہ رہ سکا مگر نظیر کے یہاں اس عیب کا وجود نہایت تعجب خیز ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کی فطرت پسند طبیعت نے اس سقم کو کیونکر جائز رکھا وہ بھاشا زبان کے بہت بڑے ماہر اور اس کی شاعری کے بڑے مداح تھے، ماسوا اس کے اُن کی طبعی جدت پسندی

سکنات سے بخوبی واقف ہو کر اس کو دنیا کے جملہ نشیب و فراز سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں

انسان کا کوئی فعل ان میں نفرت و امتلاء کے جذبات پیدا نہیں کرتا ایک طرف تو وہ انسان کو جرم و خطا کا پتلا اور قدم قدم پر بہک جانے والا سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف وہ دنیا کی رنگا رنگیوں اور نظر فریبیوں سے خوب واقف ہیں اسلئے وہ اسے موجب ہمدردی کی خطاؤں اور غلطیوں کو لائق سرزنش خیال نہیں کرتے بلکہ اس کی کمزوریوں کو سمجھتے ہوئے اس پر رحم کھاتے ہیں اور اس کو جملہ آلودگیوں سے نکال کر حقیقت کا صحیح راستہ دکھانا چاہتے ہیں ان کی کوشش ہے کہ دنیا کے لئے ایک پر امن و سکون زندگی اور وسیلہ نجات بہم کریں وہ اپنے کو اسی خدمت پر مامور سمجھتے ہیں اور یہی کام انجام دینے کے لیے ہم اُن کو ہر صحبت، ہر شغل، ہر مجمع میں دیکھتے ہیں، یہی سبب ہے کہ وہ انسان کی ہر دلچسپی میں دلچسپی لیتے اور معاشرت کے ہر رنگ میں منہمک ہوجاتے ہیں اس پر لطف یہ ہے کہ جس آزادی کے ساتھ وہ اعلیٰ مجلسوں میں حصہ لیتے ہیں اسی بے دھڑکی کے ساتھ ادنیٰ طبقوں میں نشست و برخاست کرتے ہیں، وہ صرف انسان اور اس کی معاشرت پر فدا ہیں اور اس کی بہبودی و فلاح کی فکر میں ہر وقت غرق رہتے ہیں وہ غالباً کسی تفریق نیک و بد اعلیٰ و ادنیٰ کے قائل نہیں، ہر چیز انکے نزدیک ایک ہے وہ وحدت کو ہر شے میں دیکھتے ہیں

تو ان کی فطری غیرت کو صدمہ پہنچتا ہے لیکن فوراً ہی ان کی انتہائی شرافت جوش میں آتی ہے اور تمام غم و غصہ ہمدردی و حمایت میں مبدل ہو جاتا ہے

نظیر نے اپنے رومانی و پرفسانہ خیالات کو ادب قدیم کے پرسکون انکسار کا جامہ پہنایا ہے جس سے راحت و انبساط کی ذی حیات کیفیت طاری ہوتی ہے اور کچھ لمحوں کے لئے دنیا کا تمام غم و الم محو ہو جاتا ہے، بیان کا تسلسل تراکیب کا تلذذ، بحور کا ترنم، ناگزیر الفاظ کا تجسس ان کے رنگ کی خصوصیات ہیں، دقیقہ رس ناظر اور صداقت شعار مصور ہونے کی حیثیت سے نظیر کا کوئی مدمقابل نہیں، دقیق النظری کے ساتھ ساتھ قدرتی مسلمات کا ایک عالمانہ وقوف بھی شامل ہے جو اُن کی تمثیلوں، تشبیہوں اور استعاروں کو جو مناظر قدرت سے اخذ کیے جاتے ہیں دوگنا موثر بنا دیتا ہے اور جب اس پر کلام کی لذت بخش کیفیت و شیرینی، اصوات سے مطالب پیدا کرنے کی طاقت کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے تو پھر نظیر کی حیرت انگیز دلفریبی و دلنواز کا راز منکشف ہونے لگتا ہے۔

نظیر کا موضوع انسان اور اُس کی معاشرت ہے چونکہ بنی نوع انسان کی ان کے نزدیک خاص اہمیت ہے اور یہ ان کی انتہائی دلچسپی کا باعث ہے اس لیے وہ اس کو ہر رنگ میں اور ہر پہلو سے دیکھنا چاہتے ہیں، وہ ہر حالت میں اور ہر مقام پر اس کے ساتھ رہتے اور اس کی ہر قسم کی حرکات و

مل سکتی ہے، نظیر میں یہ کمال ہے کہ وہ ادنیٰ باتوں، گھریلو واقعات اور
سادہ مناظر سے وہ کیفیات اور مطالب پیدا کر لیتے ہیں جو معمولی شعرا
دقیق مسائل سے بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ نوعی ہمدردی کے ساتھ رواداری
اور رواداری کے پہلو بہ پہلو مذہبی بے تعصبی نظیر کے کلام کا وہ جوہر ممتاز ہے
جو ہندوستانی شعرا متقدمین میں عموماً ناپید اور سرزمین ہندوستان
کے مغنی کے لوازم دلفریبی میں فائق ترین عنصر ہے، فحشیات کی درازی
کے باوصف رکاکت و ابتذال کلام سے چھو کر نہیں نکلنے پاں عریانی
جو اہل فلسفہ کے نزدیک تکمیل آرٹ اور حق محاکات کی مرادف ہے بدرجۂ
اتم موجود ہے، لیکن اس کی غایت صرف اظہار واقعہ ہے کسی قسم کا تمسخر
یا استکراہ مدنظر نہیں، جس طرح ایک نقاد کسی تصویر پر تنقید کرتے ہوئے
جہاں اس کے محاسن کا ذکر کرتا ہے وہاں اس کے بدنما معائب کا بھی ذکر کئے
بغیر نہیں رہ سکتا اسی طرح نظیر جب معاشرت کا سماں کھینچتے ہیں تو خوبیوں
کے ساتھ عیبوں پر بھی لامحالہ اُن کی نگاہ پڑتی ہے اور چونکہ وہ ایک صاف گو
اور ایمان دار مصور ہیں اس لئے وہ معائب کو بھی اسی آزادی کے ساتھ
نمایاں کرتے ہیں جتنا دوسری خوبیوں کو لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کو
دکھاتے ہوئے وہ ایک پوشیدہ درد ایک غیر محسوس شرمندگی محسوس
نہیں کرتے۔ جب وہ اپنی جنس کو شرمناک حرکتوں میں مبتلا دیکھتے ہیں

دل اور غیر متنازعہ حقیقت پسندی ہے نظیر کے تخئیل اور حیات میں
افسانوی مسرت والم، بے معنی اثر پذیری، اور نمائشی نفاست نہیں، وہ ہمارے
سامنے جس جذبہ کی کیفیت پیش کرتے ہیں اس کی برقی رو پہلے اُن کے
ذی حیات قلب میں دوڑ چکی ہے، نصیحتوں کی اُن کے کلام میں بڑی
کثرت ہے لیکن وہ کسی ایسی بات کی تلقین نہیں کرتے جو پہلے خود ان کی رہنمائی
نہیں کر چکی، وہ جو کچھ لکھتے ہیں سماعی شہادت کی بنیاد پر نہیں بلکہ عینی مشاہدہ اور ذاتی
تجربہ کی بنا پر، وہ اُن مناظر معاشرت کا نقشہ کھینچتے ہیں جن کے درمیان
رہ کر انہوں نے زندگی کے رموز پر غور کیا ہے اور جن نے ان کی روح کو حسین
جذبات پاکیزہ خیالات اور مستحکم ارادوں کا مستقل نشیمن بنا دیا ہے، اُن کے
جذبات کسی ذاتی مقصد یا نمائش کی خاطر ظاہر نہیں ہوتے بلکہ اس لئے
ابل چلتے ہیں کہ اُن کا رقیق دل اُن کے ضبط پر قادر نہیں، اپنے جذبات کے
اظہار میں وہ پورا پورا ترنم صرف کرتے ہیں گو زبان بسا اوقات بازاری ہو جاتی ہے
لیکن کبھی صحت اور فطرت سے معرا نہیں ہوتی، خلوص کے علاوہ اُن میں ایک
اور کمال ہے جس کا اظہار انتخاب عنوان میں ہوتا ہے، نہیں بلکہ یوں کہنا زیادہ
درست ہے کہ کمال کا اظہار عنوان سے لاپروا رہنے میں ہوتا ہے، نظیر ہر عنوان کو
دلچسپ بنا دینے کی قدرت رکھتے ہیں، معمولی شاعر معمولی انسان کی طرح ہمیشہ
بیرونی واقعات سے اُس مدد کا طالب رہتا ہے جو اس کو صرف اپنے باطن سے

تھے بلکہ ناپسند کرنے پر مجبور تھے۔ مذاق قدیم کا جامۂ کہنہ بہت تنگ ہو چلا تھا
نظیر کی ہمہ گیر و وسیع تخئیل اس میں نہ سما سکتی تھی۔ اِن کی طبیعت کا
متواتر تقاضہ تھا کہ وہ ان خود ساختہ بندشوں سے رہا ہو کر آزادی کی وسعتوں
میں پرواز کریں اور فطرت کے مطالعہ میں مشغول ہو جائیں۔ زمانہ انہیں اپنی
طرف کھینچتا تھا اور فطرت اپنی طرف، کچھ دنوں تک تو یہ کشمکش رہی لیکن طبیعت
کا فطری زور غالب آتا معلوم ہوا اور حسیات کی نزاکت اسکی مدد پر کمر بستہ رہی
آخر کار انکے جبلی زور آزادی نے اِن تمام خود ساختہ بندشوں کو توڑ کر اپنے خیال
کو بالکل آزاد کر لیا اور مصنوعی رنگ کو چھوڑ کر فطرت کی رنگا رنگیوں میں ڈوب گئے

نظیر کا آرٹ

نظیر کی شاعری میں جہتم بالشان خودداری اور اقتضائے بشریت
کی ایسی جھلک پائی جاتی ہے جو ہیمانہ جذبات اور پُر غضب تحریکات
دل کی ترویج کے لئے ناموزوں سہی مگر ان کے کلام کو شریفانہ، حسین، اور
موثر خیالات کے اظہار کا لاثانی ذریعہ بناتی ہے، یہ اثر کچھ تو سعدی اور دیگر اساتذہ
سلف کے دانستہ اتباع سے پیدا ہوتا ہے اور کچھ سطحی خیالات سے احتراز کرنے سے
دنیا کے تماشوں کو محض تماشہ سمجھنا اور دنیا کی دلچسپیوں میں شامل ہو کر اس کی برائیوں
سے علیحدہ رہنے نے کلام میں ایک وقار پیدا کر دیا ہے جو علو تخئیل سے متحد ہو کر
دلوں پر نہایت گہرا اثر ڈالتا ہے، نظیر کی نادر الوجود خصوصیت شاعری بالکل
بیّن ہے اور بہت آسانی سے پہچانی جا سکتی ہے، یہ خصوصیت اُن کا خلوص

نہ تھے زور طبیعت نے انہیں شاعر بنایا۔ فطرت نے اُن کے ذوق کی
تربیت کی اور حقیقت نے انہیں مکمل کردیا، اپنے طرز سخن میں وہ کسی کے
پیرو یا مقلد نہ تھے، چونکہ انگریزی سے محض ناواقف تھے اِس لئے یہ بھی
نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے مغربی شعرا کا تتبع کیا، بلکہ مجبوراً یہی کہنا پڑتا
ہے کہ استادِ ازل نے انہیں خود ہی سکھا پڑھا کر اُتارا تھا، جو رنگ ان میں
خاص طور پر نمایاں تھا وہ مصورِ حقیقی ہی نے اُن میں بھرا تھا۔ عمر کا بہت
ابتدائی حصہ تو حیرت و استعجاب میں گذرا لیکن جب مناسب وقت آیا تو
حجاب کے پردے انکی آنکھوں سے اٹھنے لگے اور رموز فطرت اور حقیقت
شاعری اُن پر روشن ہونے لگی، اب ان کی اندرونی قوتوں نے جو ازل
سے ودیعت کی گئیں تھیں انہیں مجبور کیا کہ وہ بھی اپنی آنکھیں پوری کھولدیں، جو
دیکھیں وہی محسوس کریں اور جو محسوس کریں وہی زبان پر لائیں جو زبان پر لائیں وہی عقیدہ
رکھیں اور اس عقیدہ کو اربابِ نگاہ کی ہدایت و معلومات کے لئے بجنسہ
ان تک پہنچا دیں۔ نظیر کی بدنامی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ فرسودہ راستہ
سے ہٹ کر چلے۔ لوگ جس کو صراط مستقیم سمجھے ہوئے تھے انہوں نے اسے
ٹیڑھا راستہ تصور کیا اور ملک کے مذاق کی اعتنا نہ کی۔ اپنے ماحول غلط سے
مطابقت کرنی نہ چاہی بلکہ شاعر کا پیمبرانہ فرض اپنے ذمہ لیا کہ ماحول غلط کو بدلیں اور
ماحول حقیقی پیدا کریں، ملک کے مصنوعی طرز سخن کو وہ صرف ناپسند ہی نہ کرتے

شخص کا کام نہ تھا، پس جب تک کوئی مسلم الثبوت استاد اور مستند لیاقت کا معلم نہ ہو ہرگز اس کے سپرد اتنی بڑی ذمہ داری نہ کی جا سکتی تھی، اس لئے نظیر کا معلم ہونا ہی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے منتخب فاضل اور بڑے ذی علم بزرگ تھے، اس کے علاوہ اور بھی شہادتیں ہیں جن سے ان کا صاحب علم ہونا ثابت ہے، علمی قابلیت کے ماسوا وہ زبانوں کے بہت بڑے ماہر تھے اور یہ قدرت ان میں خداداد تھی، فارسی عربی کو چھوڑ کر وہ ہندی، پنجابی، مارواڑی، پوربی، اور برج یہ پانچ زبانیں اور جانتے تھے، اسطرح مع اردو آٹھ زبانوں میں دخیل تھے، مختلف علوم وفنون میں ان کی عام معلومات نہایت وسیع تھی اور ہر شعبہ علم میں تھوڑی بہت واقفیت ضرور رکھتے تھے چنانچہ رمل، نجوم، ہندسہ، موسیقی، منطق، وغیرہ میں شغف کا پتہ ان کے کلام سے چلتا ہے اپنے ملک کی سیاست کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے، لیکن تاریخ سے بہت زیادہ دلچسپی تھی تاریخی ناموں کے حوالے اور تاریخی واقعات کے جابجا تذکروں سے مترشح ہوتا ہے کہ تاریخ پر ان کو بڑا عبور تھا اور یہ علم ان کے پسندیدہ ترین مضامین سے تھا،

رنگ کے موجد

نظیر خود اپنے رنگ کے موجد ہیں اس لئے تقدم کی فضیلت اُن کا حصہ ہے، انہوں نے اپنا رنگ خود پیدا کیا خود ہی اس پر چلا کی اور اپنے ہی پر اس کا خاتمہ کر دیا، شاعری میں وہ کسی کے شاگرد

یہ کہ شاعری کے سارے لوازمات اور شاعر کے جملہ محاسن نظیر کی ذات میں جمع ہیں
پس انہیں شاعر نہ سمجھنا غلطی ہے۔

نظیر کو شاعر نہ سمجھنے والا طبقہ ان کی لیاقت علمی کا بھی منکر ہے، کہتے ہیں
علمیت کہ میاں نظیر علم سے بے بہرہ اور جاہل آدمی تھے، باقی رہا شاعرانہ کمال
تو اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ زور طبیعت نے انہیں تک بند بنا دیا تھا، یہ نظریہ
قطعی غلط ہے، نظیر کا شمار اُن کے زمانہ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں میں تھا، بہت سے
لوگوں کا استدلال اس ایک نظم پر ہے جو انہوں نے اپنے متعلق کہی ہے
اور جس میں اپنی بے علمی اور کم مائیگی کا اعتراف کیا ہے۔ قدیم تہذیب کو مد نظر
رکھتے ہوئے جبکہ انکسار اور اظہار ہیچمدانی اعلیٰ ترین اخلاقی خوبیوں میں شمار کیے
جاتے تھے نظیر کے اشعار کے ظاہری معنی لینا انصاف کا خون کرنا ہے، عربی
میں تو البتہ نظیر کو زیادہ استعداد نہ تھی مگر فارسی کے وہ بہت بڑے
عالم تھے فارسی کی جملہ کتب درسیہ تو انہوں نے زمانہ طفولیت و تعلیم ہی میں
پڑھ لی تھیں لیکن ادب عالیہ کی مشہور تصانیف تمام عمر اُن کے مطالعہ میں
رہیں، اُن کا پیشہ معلمی تھا ظاہر ہے کہ اس زمانہ کے مکاتب کی حالت آجکل
کے مکاتب کی طرح زبوں نہ تھی، طلباء یہیں سے فارغ التحصیل ہو کر اور اعلیٰ
تعلیم کی سندیں پا کر نکلتے تھے اور ہر قسم کی سیاسی، ملکی سے آئینی ذمہ داریاں
اُن کے سپرد کی جاتی تھیں لہذا ایسے مکاتب میں درس دینا بھی کسی متمول یا

مع جملہ خصوصیات کے موجود تھا اور تشنگی بیحد غالب تھی، انہوں نے خود سیر ہو کر پیا اور ہزاروں کو سیراب کرایا۔ اب تک جو شخص نظیر کی مدد کا طالب ہو وہ اس کو چشمۂ فیضان کا راستہ بتا سکتے ہیں، پس ایسے شخص کے لئے کیونکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ محض ایک ہزل گو، اور بازاری شاعر ہے، نظیر کے کلام کو سوقیانہ طرز سخن کا مرادف سمجھنا بہت بڑی اخلاقی غلطی ہے، وہ ایک نغز گو، نکتہ سنج اور رمز شناس شاعر تھے جنہوں نے باتوں باتوں میں کھیل کود اور تماشوں میں لیجا کر ظرافت اور تفنن کے پیرایہ میں وہ وہ کار آمد اصول بتائے اور مفید نصیحتیں کی ہیں جن پر اگر سچے دل سے غور اور پھر عمل کیا جائے تو انسان کبھی دھوکا نہیں کھا سکتا اور دنیا کے پیچیدہ راستوں کو بہت آسانی کے ساتھ طے کر سکتا ہے۔ نظیر نے نئی بندشوں اور ترکیبوں کا اضافہ کیا قدیم فرسودہ استعارے اور تشبیہوں کو چھوڑ کر جدید باتوں کی ترویج کی اور انواع اقسام کے خیالات پیدا کئے۔ زندگی کے حالات پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالی اور جس شعبہ کو اٹھایا اس کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ایشیائی شاعری میں نیچرل شاعری کا پیوند لگانے کا فخر سب سے پہلے اکبر آباد کے اسی قدیم سخن گو کو حاصل ہے زبان پر قدرت، معاشرت پر عبور، فطرت پسندی کی مناظر قدرت سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت، نفسیات انسانی کا علم، مختلف علوم و فنون سے محبت، رفتار زمانہ سے دلچسپی، سیاست میں دخل، صنعت و حرفت سے واقفیت، ہمدردی، ظرافت، سوز و گداز، ترنم، محبت، غرض

کا اتباع کیونکر فرض ہو سکتا تھا نہ اس زمانہ کی ضروریات ان قواعد کی پابندیوں کی اجازت دیتی تھیں کہ وہ بطور خود ان کو اپنے کلام پر عائد کر لیتے بہر حال اس وقت کی مشکلات، جن کی تفصیل دینے کا یہ محل مناسب نہیں ہے، نظیر کے لئے کیا کم تھیں کہ وہ اور قیود اپنے اوپر لگاتے، اس لئے نظیر پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا، مخالفین کے غلط نقادی اور جوہر کش ہرزہ سرائیوں سے نظیر کی شان شاعری اور اہمیت سخنوری میں کچھ فرق نہیں آتا بلکہ سراسر اسی طبقہ کے تعصب، بدذوقی، اور کم نظری کا اظہار ہوتا ہے۔ غالباً وہ لوگ شاعری کا صحیح مصرف نہ جانتے تھے اور اگر جانتے تھے تو کم از کم یہ خیال ضرور رکھتے تھے کہ وہی شاعری کا بہترین حق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں کاش ان کا عقیدہ ہوتا کہ وجدان کسی فرد واحد یا مخصوص طبقہ کی ملک نہیں، جدت کی الہام آفریں نسیم روح پرور جہاں چاہتی ہے اپنے خوشگوار جھونکوں سے دماغوں کو تر و تازہ اور روحوں کو معطر کر سکتی ہے، قسام ازل کی فراخ حوصلگی نے کسی جمعیت کو اپنی بے پایاں نعمتوں سے بے بہرہ نہیں رکھا ملک کا کوئی گوشہ جہاں رمز شناس موجود ہوں فطرت کے فیض عام سے محروم نہیں رہ سکتا۔ رموز الوہیت کا سرچشمہ ہر جگہ جاری ہے اور عام اجازت ہے کہ لوگ اس سے سیراب ہوں، جس کے پاس ظرف موجود ہے اور تشنگی غالب ہے وہ اس سے اچھی طرح سیراب ہو سکتا ہے، نظیر کے پاس یہ ظرف

شاعری کا قائل نہ تھا، لکھنؤ اور دہلی کے شعرا خصوصاً آخر الذکر جو ہمیشہ زبان اور شاعری کو اپنی میراث سمجھتے رہے اس خیال کے بہت بڑے حامی رہے، یہ جماعت نظیر کو ایک ہزل گو، فحش پسند صحت لفظی سے معرّا یا وہ گو ناظم اور مبتذل طبقہ کا آدمی سمجھتی رہی ان کے اجتہاد اور مافوق العادت کمالِ شاعری کا معترف ہونا تو در کنار نظیر کو زمرۂ شعرا میں بھی جگہ دینا انہیں پسند نہ تھا، یہ تو خیر متقدمین کا ذکر ہے، اس زمانہ میں بھی جبکہ علم کا چرچا گھر گھر، اور ذوق کی جنس اسی قدر عام ہے، اسی پرانی لکیر کے پیٹنے والے قدامت پرست کچھ لوگ موجود ہیں جو نظیر کی اہلیت کے قائل نہیں اور ان کو اب تک ایک تک بند سمجھتے ہیں گروہ مخالف کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ نظیر کا کلام اور ان کی زبان اپنے زمانہ کے معیار سخن سے جانچنا چاہتے ہیں یہ ناشی اصلی غلطی ہے اور اس سے سراسر جہل تاریخی ٹپکتا ہے، وہ لوگ اس بات کو مدنظر نہیں رکھتے کہ نظیر جس زمانہ کے شاعر ہیں وہ اردو کا بچپن تھا اور یہ زبان منازل تکوین طے کر رہی تھی، تراکیب میں آجکل کی سی شستگی اور پاکیزگی نہ تھی بھاشا کے الفاظ کثرت سے شامل تھے، ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ شاعری اس قدر قیود لسانی وعروضی کی پابند نہ تھی، انشا کے وقت سے عروض، زبان، اور صحت لفظی کے متعلق جو جو قیود لگائے گئے وہ اس وقت نافذ نہ تھے، پس نظیر جو انشا کے متقدم اور دور تکوین کے سخنور ہیں ان قیود

باعث ننگ سمجھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ شعر دل کی تحریک سے ظہور پذیر ہوسکتا ہے نہ کہ رؤسا کی فرمائشوں اور حصول عطیات کی خواہشوں سے شاعری ان کا شغل شوق تھا وہ اسے ذریعہ کسب معاش بنانا گوارا نہ کرسکتے تھے، درباروں سے تعلق نہ پیدا کرنے اور رؤسا کی مجلسوں سے الگ رہنے کی ایک وجہ غالباً ان کی فارغ البالی اور معاش سے بیفکری بھی تھی وہ اپنے گھر کے کھاتے پیتے آدمی تھے اور کسی کی امداد و حمایت کے محتاج نہ تھے، غالباً یہی وہ بات ہے جس نے ان کے مزاج کی شریفانہ خصوصیات کے قرار قیام میں ہمیشہ ہمدردی بخشی، چونکہ تمام عمر خانہ نشینی سے کام کرتا رہا اس لئے ملک میں مشہور و مقبول نہ ہوسکے صرف گرد و نواح کے باشندے قدر سے واقف رہے، چونکہ ملک کے ذرائع مراسلت و تبادلہ خیالات اس وقت تک اتنے ترقی یافتہ نہ تھے کہ کوئی شاعر گھر بیٹھے پکے اور اس کا کلام شہر بشہر پھیل جائے اس لئے ملک تمام تر اُن سے بے خبر رہا مگر اکبرآباد میں ان کی عزت و توقیر اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں طبقوں میں ہمیشہ بہت زیادہ رہی۔

شاعر اہلبیت نظیر کے متعلق ایک امر متنازعہ فیہ یہ بھی ہے کہ آیا وہ شاعر ہیں یا نہیں گذشتہ زمانہ میں جبکہ اثنائی شاعری کے مصنوعی شعبہ کا رنگ دلوں پر نہایت گہرائی کے ساتھ غالب تھا اور تعصب و تنگ خیالی نے آنکھوں پر پردے ڈال رکھے تھے ملک میں ایک وسیع گروہ ایسا تھا جو نظیر کی

متعلق یہ شبہہ کرناکہ وہ نظیر کے قائل نہ تھے ہم بہتان سمجھتے ہیں پس یہ
خیال تو ایک منٹ کے لئے بھی قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ البتہ دوسری وجہ
زیادہ قرین قیاس ہے، گزشتہ زمانہ میں مذاق سخن اس درجہ مصنوعی ہو گیا
تھا کہ فطرت شناسوں کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہی تھی اس عام بدمذاقی
نے لوگوں کو روز بروز نظیر کی جانب سے غافل کرنا شروع کردیا آخرکار
زوال کی وہ حد پوری ہوگئی جہاں سے پھر کمال کی ابتدا ہونے لگتی ہے، اس
ماحول کے زیر اثر اگر آزاد سے سہو ہوا ہو تو زیادہ تعجب خیز نہیں، گمنامی کی ایک
وجہ اور بھی سمجھ میں آتی ہے اور اس کے غالباً نظیر خود ذمہ دار ہیں، وہ
ایک درویش صفت، صاحبدل، قانع، وضعدار، مستغنی المزاج، خوددار،
عالی ظرف، بلند حوصلہ اور سیر چشم بزرگ تھے اس لئے انہوں نے کبھی کسی
دربار میں ملازمت کرنا یا حاضرباشی پسند نہ کی۔ اکثر کئی درباروں سے طلبی
ہوئی مگر جانا پسند نہ کیا، شہباز کی رائے کے مطابق راجہ کاشی مقیم اکبرآباد
کے یہاں ان کا تعلق ثابت ہے لیکن وہ محض برائے نام تھا، کسب معاش
یا حصول زر کی خاطر نہ تھا، غالباً خودداری اس امر کی اجازت نہ دیتی تھی کہ وہ
رئیسوں کی درباداریاں کریں اور ان کی ہجو ہجا خوشامد، چاپلوسی، سخن پروری
اور ناز برداری کا بار اپنے حقیقت پرور نفس پر ڈالیں، وہ شاعری کا صحیح
مفہوم جانتے تھے اور اسکو کسی فرد واحد کی تعریف و توصیف سے آلودہ کرنا

یہی سب سے بڑی تاریخی وجہ ہے جس تک ہمارا ذہن رسائی کر سکا، مگر چونکہ وہ ایک مستغنی المزاج اور غیر ستائش پسند بزرگ تھے انہوں نے کبھی اسکی کچھ پرواہ نہ کی اپنے کو جس کام پر مامور سمجھتے تھے وہ کام انہوں نے ہمیشہ نہایت اطمینان وخاموشی سے انجام دیا اور جو پیغام قسام ازل نے انہیں ودیعت کیا تھا عمر بھر اسی کی تلقین کرتے رہے، تمدن جدید کی معرفی نے نظیر کے محاسن کو حقیقی روشنی میں پیش کیا ہے اور اب ہمارے نزدیک وہ وقت آگیا ہے جب انکی پوری پوری قدر شناسی کی جائے گی۔

نظیر کی مخصوص سحر بلندی اور انتہائی گمنامی دونوں کو ایک جا جمع کر کے لازمی طور پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کوئی بڑا شاعر اتنا گمنام نہیں ہر چند

کوئی بڑا شاعر اتنا گمنام نہیں

متعدد فارسی تذکروں میں ان کا ذکر موجود ہے لیکن تفصیل کے ساتھ کسی میں نہیں اس لئے ان کا عدم وجود برابر ہے البتہ اب پروفیسر شہباز نے جو تذکرہ مرتب کیا ہے اس سے بہت کچھ حالات کا پتہ چلتا ہے عوام اور سطح نظر گروہ تو ایک طرف بالغ نگاہ اور اصحاب تحقیق کی تلاش سے نظیر کا بچ رہنا بظاہر بہت تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے، مولانا محمد حسین آزاد صاحب تذکرہ آب حیات کی وسیع جستجو سے نظیر کے پوشیدہ رہنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ آزاد نظیر کو شاعر نہ سمجھتے تھے دوسرا یہ کہ ان سے سہو ہوا ہو آزاد کی جوہر شناس نگاہ کے

ہم پورے یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتے کہ نظیر کے حین حیات میں ان کی قدردانی کا کیا عالم تھا مگر اتنا ضرور قیاس کر سکتے ہیں کہ گذشتہ ساٹھ ستر برس کی مدت میں جیسا روح فرسا اور جوہر کش برتاؤ ان کے ساتھ کیا گیا اس سے بدرجہا بہتر قدردانی غالباً ان کی حیات میں ہوئی ہوگی لیکن اس بنا پر بھی ہم بلا خوف تردید یہ کہنے کے لیے تیار ہیں کہ نظیر فی الحقیقت جس قدردانی کے مستحق تھے اتنی قدر ان کی حیات میں بھی ہرگز نہ ہوئی ہوگی، تاریخ ادب اس امر کی شاہد ہے کہ ذوقِ شعری نے اس وقت تک ارتقاء کی اس منزل میں قدم نہ رکھا تھا جہاں سے نظیر کی سرحد شروع ہوتی ہے بلکہ شاعری ابھی ترقی کے ابتدائی مراحل بھی طے نہ کر چکی تھی کہ اس فطری مغنی نے اپنے الوہیانہ نغمے چھیڑ دیے، زمانہ کی بھونڈی قدامت نواز طبیعت کسی اور طرف مائل تھی اور ان کے نفیس واختراع پسند خیالات کا رجحان کسی اور جانب تھا، یہاں تک کہ ان کی تیز رفتاری نے ادبیات کے سمت رو کاروان کو کوسوں پیچھے چھوڑ دیا پس اس طرح نظیر تو اپنے ہی وقت میں روش زمانہ سے بہت آگے نکل گئے لیکن اہل ملک میں یہ صلاحیت اتنی جلدی نہ پیدا ہو سکی کہ ان کی کنہ بیان کو سمجھنے اور مناسب داد دینے ہاں ایک نئی اور دلچسپ چیز سمجھ کر تھوڑی بہت واہ واہ ضرور کرتے رہے نظیر کے معاملہ میں اتنی سخت حق تلفی اور انصاف کا خون ہونے کی غالباً

ان سب سے زیادہ ضروری نقاد کا وجود ہے جو ہر چیز کو تنقید کی روشنی میں پیش کر کے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیتا ہے، تنقید وہ کسوٹی ہے جس سے شعر کے حسن و قبح کا اندازہ کیا جاتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ شاعر نے کہاں تک اپنا فرض انجام دیا اور اسکی شاعری کس حد تک شاعری کہی جانے کی مستحق ہے۔ اس وقت نظیر اور نظیر کا کلام ہمارے پیش نظر ہے، اب ہم تنقید کی کسوٹی پر کس کر دیکھیں گے کہ نظیر کیا تھے اور انکا کلام کیا اہمیت رکھتا ہے۔

نظیر کا نام لیتے ہی جو چیز سب سے پہلے سامنے آتی ہے وہ ان کی گمنامی ہے، نظیر کو سیر گلشن جہاں کرتے ہوئے تقریباً ۹۴ برس ہو گئے

گمنامی

یہ مدت اتنی کافی ہے کہ اگر ابنائے وطن اس مرحوم سخنور کی طرف توجہ کرتے تو بہت کچھ ذخیرۂ تحقیق و تنقید کا ارباب مطالعہ کے قبضہ میں ہوتا ایک صدی کی مدت اتنی ہے جس میں زندہ اور باخبر قوموں کے شعرا مدارج شہرت و قبولیت طے کر کے آسمان عروج و سربلندی کے ستارے بنجایا کرتے ہیں اور اُن کا شمار ادب القدما کی برگزیدہ فہرست میں ہونے لگتا ہے لیکن ہندوستانی ادب قدیم کے لئے جو اپنے حسن میں کامل اور اپنی نوع میں متقدم ہے ہنوز روز اول ہے، حیف ہے اس ملک و ملت کی خفتہ بختی پر جس نے اپنے گوہر یکدانہ کو گرد گمنامی سے اس طرح آلودہ کر رکھا ہو،

شاعر کی روح پرور خدمات قومی ضروریات سے حذف نہیں کی جا سکتیں، اگر فلسفی اپنی عزیز عمر اور تمامتر قوتیں مقصد حیات، اسباب فلاح اور وسائل نجات کی تلاش و جستجو کے لئے وقف کر دیتا اور متقنن بہبودی و امن عامہ کو مد نظر رکھ کر ترقی کامل اور قومی مطمح نظر حاصل کرانے کے ذرایع بہم کرنے کی کوششیں کرتا اور شاہراہ سعی و عمل پر بہ اسلوب احسن قوم زن ہونے کے لئے قواعد منضبط کرتا ہے تو شاعر بھی اسی شغف و انہماک کے ساتھ قومی غیرت و حمیت کو زندہ اور احساس قومیت کو جو حیات قومی کے لئے غالباً سب سے زیادہ ضروری عنصر ہے بیدار رکھتا ہے، شاعر کا کام ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر لحظہ ملک کی حسیات کے مد و جزر سے باخبر رہے اور اخلاق کی درستی میں نمایاں حصہ لے، مردہ آرزوں کو زندہ کرنا پست ہمتوں کو ابھارنا اور جذبات خفتہ میں تلاطم و ہیجان پیدا کرنا شاعر کا فرض اولین ہے شعر وجدان فطری کو برانگیختہ کرتا اور طبیعتوں کو جوش و ولولے، خیالات کو جدت و لطافت اور دلوں کو مسرت و تازگی بخشتا ہے جس قوم کا ذوق شعری کند ہو جائے سمجھ لو کہ اس کے آثار حیات زائل ہو چکے اور اب تنزل کی جانب مائل ہے، پس معلوم ہوا کہ قوم کو زندہ اور باخبر رکھنے اور اسمیں جد و جہد کی روح پھونکتے رہنے کے لئے شاعر کی شخصیت اتنی ہی ضروری ہے جتنی فلسفی و مقنن کی، لیکن دراصل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاعری کے محاسن کا تذکرہ کرتے ہوئے آرنلڈ ایک مقام پر رقمطراز ہے
کہ شاعری "تنقید زندگی" ہے۔ دعوے کی حقیقت نمائی اور صداقت پر جو یقین
ہے اگر یقین کر لیا جائے تو شاعری کی ضرورت تسلیم کر لینا

تمہید

قبول سے لازم آتا ہے، اس لئے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے
کہ اس کا وجود مہذب قوموں کے لئے ناگزیر ضروریات حیات میں سے ہے، اور
اس کی ترقی قومی حیات و عوائد کی ترقی کے پہلو بہ پہلو رہتی ہے، جس طرح کوئی
قوم فلسفی و مقنن کی دماغی و ذہنی مساعی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی اسی طرح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کے ایڈیشن پر زیادہ انحصار کیا گیا ہے مگر جہاں ہر نسخہ میں اختلاف واقع ہوا ہے اور شہباز کے ایڈیشن سے بھی کافی تسلی نہیں ہوئی تو ہم نے اکبرآباد کا باشندہ اور یہاں کی ہر قسم کی زبان سے بخوبی واقف ہونے کی حیثیت سے اپنی رائے کو ترجیح دی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اس تالیف میں عموماً اور دیباچہ نگاری میں خصوصاً انگریزی ادبیات سے بہت کچھ مدد لی گئی ہے دیباچہ میں متعدد انگریزی انشا پردازان اور حقیر مؤلف کے خیالات کا اجتماع ہے، بعض جگہ فقروں کا بجنسہ ترجمہ کر دیا گیا ہے جو واوین کے اندر بند ہیں، لیکن بعض مقامات پر عبارت کا ربط قائم رکھنے اور دوسری انشائی ضروریات کے باعث یہ مقامات علیحدہ نہ رکھے جا سکے بلکہ اس طرح مخلوط ہو گئے کہ قوسین کے اندر محدود بھی نہ کیے جا سکے اسکی معافی چاہی جاتی ہے، ممکن ہے عالی حوصلہ حضرات اس پر انگشت نما ہوں لیکن اس بارہ میں صرف اس قدر گزارش کرنا غالباً عذر گناہ نہ سمجھا جائے گا کہ اردو زبان خصوصاً نثر ابھی بہت کم مایہ ہے لہذا دوسری زبانوں اور ادبیات سے خیالات کا اقتباس کر کے اپنی زبان میں شائع کرنا اور اس کو سرمایہ دار بنانا کسی نوع خالی از دلچسپی نہیں اور معیوب نہیں تصور کیا جا سکتا۔

جون سنہ ۱۹۲۲ء
آگرہ

مخمور

سرشار لفانہ حیات سے بے بہرہ اور محروم نہیں جو بہ ہندوستان کے مختلف مذہبوں اور قوموں کے باہمی اتحاد و مصالحت ہمدردی و رواداری کی بنیاد رکھی جا سکے، یہ غیر فانی نکتہ نظیر کے کلام کا زندہ معجزہ اور ملک کے بد اندیشوں کا ہمیشہ اختلاف کے حامی اور شکر رنجیوں کے مدبر ہے ایک دندان شکن جواب ہے۔

نظیر کا کلام ایک زخار سمندر ہے جس میں ہر قسم کے موتی بے حد و بے شمار دستیاب ہوتے ہیں اس لئے انتخاب کرنے والے کو بہت زیادہ گنجائش ہے، اسی فیض عام کی برکت سے اس تالیف میں بھی ہر مذاق کا لحاظ رکھا گیا ہے، ہندو مسلمان، شیعہ، سنی، سکھ وغیرہ ہر مذہب و عقیدہ کے پیروان کے لئے کافی دلچسپی کا التزام کیا گیا ہے، نظموں کی نوعیت اور مختلف مذاقوں کی رعایت کا ذکر کار لاحاصل معلوم ہوتا ہے مطالعہ سے ہر بات خود ظاہر ہو جائیگی۔

نظموں کے ناموں کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے اور ہم معترف ہیں کہ اس بارہ میں تحقیق بہت دشوار ہے۔ مختلف نسخوں میں مختلف عنوان دئے ہوئے ہیں۔ ہم نے نظیر کا تجویز کردہ عنوان معلوم کرنے کی کوشش کی ہے اس کا سراغ کچھ تو پرانے نسخوں سے لگایا ہے اور کچھ نفس مضمون سے اندازہ کیا ہے پھر بھی پورے تیقن کے ساتھ صحت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اس انتخاب میں ساجو نظمیں ہیں انکی سات مختلف نسخوں سے تصحیح کی گئی ہے لیکن تنہا

تکمیت اور لطیف ہے۔ بہرحال انگریزی ادبیات میں جیس قماش کی نظمیں پائی
جاتی ہیں اُردو زبان میں میسر نہیں ہرچند موجودہ شعراء کا میلان اس جانب مائل
معلوم ہوتے ہیں تاہم اساتذہ کا کلام جو اب بہت سے وجوہات سے ادبیات القدما
کی حیثیت سے ہمارے پیش نظر ہے اس طرز سخن سے خالی ہے۔ یہاں لامحالہ
اساتذہ کو سر عجز و نیاز خم کرنا پڑتا ہے لیکن اُردو زبان کا درفش سروری کسی طرح
سرنگوں نہیں ہوتا کیونکہ یہاں سے نظیر کی سرحد شروع ہوتی ہے یہی وہ
مقام ہے جہاں نظیر کی شخصیت سب سے بلند نظر آتی ہے اور یہیں سے نظیر
کی فوقیت کا ثبوت اور مستر خین کا جواب دونوں بہم ہو جاتے ہیں، چنانچہ مغرب پسند
حضرات کا اعتراض رد کرنے کے لئے نظیر کا صرف اتنا کلام پیش کرنا زیادہ
قرین مصلحت ہے جو اُن کے خیال میں قطعی مغربی انداز پر ہے اور جس کو مشرقی
چاشنی کے متوالے خالص اپنے رنگ میں ڈوبا ہوا پاتے ہیں۔

اس انتخاب کی ایک سیاسی غایت بھی ہے جو کسی عنوان مفاد سے
خالی نہیں۔ نظیر کا کلام دیکھ کر اور اس کی ہمہ گیری سے شاعر کی بے تعصبی
کا اندازہ کرتے ہوئے نہ صرف یہی معلوم ہوگا کہ قرون ماضیہ میں ہندوستان کی
ایک قوم دوسری ہمسایہ قوموں کے جذبات کا یہاں تک پاس و لحاظ کرتی تھی کہ شعرا
ارادۃً یا اضطراراً ان کا اظہار اپنا فرض منصبی قرار دے لیتے تھے بلکہ یہ بھی واضح
ہوتا ہے کہ اس سرزمین پاک کے بے جرم و خطا معتوب باشندے [illegible] کی

کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال بہترین نظموں کا ایک مختصر مجموعہ پیش کیا جائے جو آیندہ ارباب تلاش کے نزدیک تحقیق و تنقید کا پیش خیمہ بن سکے اکسی شاعر کا مطالعہ کرتے وقت اس کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے کہ اس کے کلام کا کم از کم اتنا حصہ ضرور پڑھ لیا جائے جس سے زندگی اور آرٹ کے متعلق اس کے نقطۂ نظر کا کافی اندازہ ہو سکے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کلام کا وہ حصہ پیش نظر ہو جس میں شاعر نے پورا پورا زور تخیل صرف کیا ہے ہم نے اپنی لیاقت اور استعداد کے موافق اسی نوعیت کا کلام منتخب کرنے کی کوشش کی ہے تاہم متبعین کے لئے ابھی بہت وسعت باقی ہے اور یقین ہے کہ یہ ہیچ خالی نہ جائے گا اور اس بنیاد پر بڑی بڑی عالیشان عمارتیں تعمیر کی جائیں گی۔

بحمد اللہ اب ملک میں بیداری کے آثار نمودار ہیں اور استقلال کی روشنی دلوں پر مسلط ہو چکی ہے اس لئے قوی امید ہے کہ ملک خود اپنے پوشیدہ جواہر کو گمنامی کی تاریک کانوں سے کھود کھود کر نکالے گا اور ہر جوہر قابل کی اس کی حیثیت اور محاسن کے مطابق پوری پوری داد دیجائیگی۔

تمدن جدید کی سعرفی اور انگلستانی تہذیب و ادبیات کے ورود نے ہندوستانی مذاق میں ایک خاص تبدیلی پیدا کر دی ہے علاوہ بریں مغربی و مشرقی خیالات کے توصل سے جو ایک نیا رنگ پیدا ہو گیا ہے وہ بھی بالذات نہایت

کشادہ دماغ حاضر اور بہدر دبیان سرگرم رکھیں۔

یہ جملہ باتیں جواب تک بیان کی گئیں اصولاً ہر اعتبار سے نظیر پر صادق آتی ہیں اسی بنا پر اور اس کے علاوہ اور بہت سے وجوہات کی بنا پر نظیر کے کلام کا انتخاب اس حیثیت و شان سے شائع کرنا نہایت ضروری تھا، باوجود ایسا نغز گو اور عدیم المثال شاعر ہونے کے ملک و ملت ابتک نظیر سے تمام و کمال روشناس نہیں بلکہ موجودہ واقفیت اگر وہ کسی نوع واقفیت کہی جاسکتی ہے جہل کی صورت میں نمایاں ہوتی تو یہ حالت موجود زیادہ سود مند ثابت ہوسکتی تھی لیکن سب سے زیادہ قابل افسوس تو یہ امر ہے کہ ارباب ذوق اور اہل علم کو بھی اس مرحوم سخنور کے کلام پر اتنا عبور نہیں جتنا دیگر اساتذہ کے کلام پر ہے بلکہ اُن کا تغافل اور عدم توجہی کسی طرح عوام الناس سے کم نہیں، اُردو زبان باوجود اپنی بے بضاعتی اور کم مایگی کے شاعری کو اپنے مربیانہ فیضان سے ہمیشہ مالامال کرتی رہی ہے اردو بولنے والوں کو شعر و سخن سے ہر زمانہ میں جو دلچسپی رہی وہ شعرا کی کثرت سے صاف ظاہر ہے اس صورت میں نظیر سے ناواقفیت اور لاپرواہی اور بھی تعجب انگیز ہے مگر فی الحقیقت وہ ذوق عام صحیح مذاق شعر و ادب نہ تھا اور اس سے ہمارے استعجاب کا کافی جواب ملتا ہے، بہرحال اب مطالعہ کرنے والوں کو سہولیت بہم کرنے اور دماغوں کو نظیر کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ

ہونا یا نہ ہونا مزاج و انتاد طبیعت پر بہت کچھ منحصر ہے، ہم میں سے ہر شخص ایک
ہی شاعر یا ایک ہی تصویر کو پسند نہیں کرتا مزاج ہماری دوستیوں کو زندہ، سوسائٹی
میں طے کرتا ہے اور مزاج ہی کے فیصلہ پر ہمیں ادبی مشاغل کی بنا قائم
کرنی چاہئے۔

لیکن باایں ہمہ مزاج اور دماغ کی تربیت جیسا کہ ابتدا میں کہا جا چکا ہے
قرین امکان ہے، اس شخص کے لئے جو کسی شاعر کے کلام میں تاثیر و دلکشی
نہیں پاتا ہم تجویز کریں گے کہ وہ اپنے تئیں اس کی ہمجلیسی کے قابل بنائے
بسا اوقات عدم وقوف اور فقدان تلذذ نا اہلی کے باعث نہیں ہوتا بلکہ عدم تجربہ
کی وجہ سے ہوا کرتا ہے، پس اگر ابتدا میں کسی شاعر کے اندرونی معانی
ہماری دسترس سے باہر معلوم ہوتے ہیں تو ہم کو مایوس نہ ہونا چاہئے ایک
وقت ایسا ضرور آئے گا جب کشمکش حیات جو جملہ امور کی معلم ہے کسی سرور
یا الم کے موقعہ پر اُن سارے حقائق کو یکایک منکشف کر دیگی جو ہماری کم نگاہی
کے سبب اب تک ہم سے پوشیدہ رہے اشادمانی کے لمحوں میں اور غم کے
مواقع پر بھی بالیقین شعرا کی صحبت ہمارے لئے بہتریں نعمت اور بدرجۂ اتم
مسرت بخش ہے، شعر زندگی کے اُن دشوار گذار راستوں میں جن سے کوئی
شخص بیشتر سے واقف نہیں ہوتا ہمارے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے اگر
ہم حسن پرستی، زندہ دلی اور محبت کشی سے جو شعر کی جان ہے اپنی نظریں

سود مند اصلاح تجویز کرنے کے بوجہ احسن اہل ہوتے ہیں۔

اب مولف کا کام ہے کہ وہ ان خشک و بے مزہ اجزا سے جن پر خرافات کا اطلاق ہو سکتا ہے کلام کو پاک کر دے، بہت سے خصائص بالخصوص کسل یا انقباض کے لمحوں میں تفریح و شگفتگی پیدا کرنے کی بنا پر شعرا کی صحبت دنیا میں بہترین صحبت ہے لیکن یہ لوگ ہر وقت اپنے بہترین انداز سے مزین نہیں رہتے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ مناسب موقع تلاش کر کے بہ عنوان جمیل ان کی انجمن میں بار حاصل کریں۔ ساتھ ہی ساتھ مولف کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ خود ایک مرتبہ تعارف کرا دے اس کے بعد پڑھنے والے کو اس کی حالت پر چھوڑ دے کہ وہ اپنے تعلقات خود جاری رکھے یا ختم کر دے لیکن مولف کے مہیا کردہ اسباب تفریح کے استعمال اور اس ذریعہ جلب منفعت کی توقعات کے بارہ میں اس مقام پر ارباب مطالعہ کو ایک خاص امر کی ہدایت کرنا ضروری ہے جو بیشتر نظر انداز کر دیا جایا کرتا ہے، اسٹیل ایک بڑے مصور کا قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "جس طرح بعض صورتیں بعض مصوروں کے قلم کے لئے مخصوص ہوتی ہیں اسی طرح بعض عنوان بعض شعرا کا حصہ ہوا کرتے ہیں" یہ اصول من و عن انتخاب مطالعہ پر عائد ہوتا ہے، کوئی شخص کسی شاعر کے کلام کا کماحقہ لطف نہیں اٹھا سکتا جب تک اس میں یہ اہلیت نہ ہو کہ وہ اس شاعر کی زندگی میں اس کا رفیق و ہمدم بن سکتا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ کسی شاعر کے کلام سے لطف اندوز

سریع الاحساسی کسی بیرونی تحریک یا توجہ فرمائی کی محتاج نہیں اُدھر ہر نظر
شعر اور ہر حس نغمہ کا حکم رکھتی ہے اور جذبۂ ثانی کا جمود ازل سے ناقابل
شکست ہے ارباب ذوق کی کوئی کوشش اِن میں رقت و ترنم کی لطیف
کیفیات برانگیختہ نہیں کرسکتی، اسلئے ہماری مساعی دونوں طبقوں کے
لئے یکساں طور پر بے معنی اور عبث ہیں، ہمارا مخاطب صحیح ایک دوسرا گروہ ہے جو
اپنی نوعیت میں اِن دونوں سے جدا ہے یہ وہ اہل مطالعہ ہیں جن میں نیرا
مبتدیان ذوق خصوصاً بکثرت شامل ہیں یہ عجلت پسند صرف اُن خشک
وبدمزہ اجزا سے تنگ آکر جو تقریباً ہر سخنور کے کلام میں کم و بیش پائے جاتے
ہیں اس سمت تیزی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ بیٹھتے ہیں اور پھر کبھی اس
غریب شاعر کی جانب توجہ مبذول کرنا تو کیسا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے اور
سب سے زیادہ ستم قاتل تو یہ ہے کہ بُری رائے قائم کرکے اس کی ترویج اپنا اخلاقی
فرض قرار دے لیتے ہیں۔ اسطرح ان محاسن کا خون ہوتا ہے جنکی داد صرف
بالغ نظری سے دی جاسکتی تھی اور جس کے فقدان کا غریب شاعر کسی طرح
ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جاسکتا اِس جگہ ہم یہ جتائے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ بلند پایہ
مقامات جنکو سہواً یا کسی مغالطہ کے زیر اثر سرسری طور پر ٹال دیا جاتا ہے
اپنی ندرت کے اعتبار سے پڑھنے والے کی معلومات میں معتدبہ اضافہ خیالات
میں مہتم بالشان ارتفاع اور سب سے بہتر اور بالاتر مطمح نظر میں ایک وقیع اور

تلاطم اور قومی خیالات کا حیرت انگیز انقلاب ایسے بیّن واقعات ہیں جو کسی نوع نظر انداز نہیں کیئے جا سکتے پس ایک کثیر جمعیت ایسے افراد کی ہے جنھیں اِن وجوہ سے مطالعہ کے لئے بہت کم وقت میسر آتا ہے اس لئے اِن کو اپنا عزیز و بیش قیمت وقت ایسے ادبیات پر جو مصنوعی، کسبی، اور جامد ہوں ضائع کرنا صرف ناپسند ہی نہیں بلکہ ایسا کرتے ہوئے درد محسوس کرتے ہیں لہذا اس صنف کے لوگوں کے تفنن طبع اور ورزش دماغی کے لئے صرف منتخب پھول اور چیدہ چیدہ جواہر پیش کرنا لازمی ہے ممکن ہے کوئی صاحب استفادی مطالعہ کے لئے انتخاب کی ضرورت تسلیم کرتے ہوئے یہ اصلاح پیش کریں کہ انتخاب ایسا کام ہے جو پڑھنے والے کو بطور خود کرنا چاہیئے ۔ یہ اعتراض اپنے مقام پر نہایت درست اور ہر حیثیت سے بہت معقول ہے، بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کا مذاق ادب فطرتاً نہایت صحیح اور مکمل ہوتا ہے، یہ لوگ جا بجا شعر کے حسین و ہمہ گیر عناصر کی جانب منجذب ہو سکتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسی حسّاس طبیعتیں بہت کم ہیں اور ان سے بھی کم وہ لوگ ہیں جنھیں تربیت و مطالعہ مشاہدہ و تجربہ ایسے معلم ذرا بھی فطری حسّ شعری نمایاں نہیں کر سکتے ۔

لیکن یہ دونوں طبقے ہمارے مخاطب صحیح نہیں، طبقہ اول کی

پر مبنی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے بر
آپنے موضوع پر جیسی بسیط نظر ڈالتا اور اپنی تصنیف میں جس
نہماک کرتا ہے اسی حیثیت سے اس کی کیفیات ذہنی کے علاوہ
کے مدارج مرتب کئے جاتے ہیں لیکن اس فرق کے سمجھنے اور اس کی داد دے
لئے مزاج اور نفس کی حقیقی اور قرار واقعی تربیت کی ضرورت ہے جو اف
طمانیت نفس کی وساطت سے اس تربیت کے روبرو سر نیاز خم کر دے
اُن میں ایک استعداد پیدا ہو جاتی ہے جس کے قیام کا اثر لازمی طور پر
یہ صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ صنعت، تقریر، حیات، اور عوائد میں
ان خصائص کو جو وہبی، وجدانی اور مترنم ہوں مصنوعی، کسبی اور جامد
کر لیتے ہیں۔

اِن الفاظ سے غالباً انتخاب کی غرض و غایت پر کافی روشنی پڑ
اور اتنا ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ اِس تالیف کا مقصد صحیح کیا ہے اور مولف
کو خصوصاً نمایاں کرنا چاہتا ہے، مزید برآں انتخاب کے اور بھی متعدد فوائد ہیں
صراحت اس موقع پر کچھ ایسی ضروری نہیں لیکن چند باتیں اتنی اہم ہیں جو
کم از کم سرسری نظر ڈال لینا ناگزیر ہے یقیناً کسی عقل سلیم کے مدعی کو
جدید کے باشندگان کے عموماً اور تعلیم یافتہ طبقہ کے خصوصاً غیر معمولی انہماک
کثرت مشاغل سے انکار نہیں ہو سکتا، قطع نظر اس کے ملک کا موجودہ،